ہیں" تدبرت القرآن فوجدت الطلاق الذی فیہ ہو الرجعی (مجموع الفتاوی ص۸۷ج۳۳)

میں نے قرآن کریم میں غور وفکر کیا تو اس میں طلاق رجعی ہی پائی لہٰذا موصوف کا اس آیت کو اپنے موقف میں پیش کرنا غلط ہے کیونکہ آیت موصوف کے موقف کا ساتھ نہیں دیتی۔

حلالہ کی شرط

موصوف رقمطراز ہیں مطلقہ اگر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیتی ہے تو وہ اسے طلاق دے دیتا ہے یا فوت ہو جاتا ہے تو عدت گزارنے کے بعد پہلے خاوند کے لئے حلال ہوگی صرف ہمبستری کے لئے شرط کا حلالہ گناہ ہے (ص ۲۵)

بلاشبہ حلالہ گناہ ہے اور حلالہ کی نیت سے نکاح حرام ہے لیکن موصوف نے حلالہ کو صرف گناہ کہا ہے یہ واضح نہیں کیا کہ وہ حرام بھی ہے اس لئے کہ حنفی قول واقوال میں بلاشبہ حلالہ گناہ ہے لیکن حرام نہیں بلکہ مستعار طریقہ سے وہ عورت پہلے کے لئے حلال ہو جائے گی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور زفر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ قول منسوب ہے "ولو شرطا یکرہ وتحل عند ابی حنیفۃ و زفر وہو صحیح" (فتاوی عالمگیری ص۴۷۳ج۱)

اگر مرد اور عورت دونوں نکاح کرنے والے حلالہ کی شرط کے ساتھ نکاح کریں تو وہ عورت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی اور یہی صحیح ہے اور یہی بات امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے "یصح النکاح بشرط التحلیل" (حاشیہ شرح وقایہ ص۱۱۸۔ مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۲۱۸) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلالہ کی شرط سے نکاح درست ہے اس سے واضح ہے کہ حنفیت میں بعض گناہ بلکہ ملعون امور بھی جائز ہو جاتے ہیں جن میں ایک حلالہ بھی ہے۔

عہد نبوی میں طلاق ثلاثہ

موصوف لکھتے ہیں دور نبوی میں حضرت ابو درداء، حضرت رفاعۃ، قرظی، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہم نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دیں تو حضور نے فرمایا کہ اب تم ان سے نکاح نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے (ص ۲۵ بلفظہ)

ہم مفتی صاحب سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ثبوت مہیا کریں کہ جناب ابو درداء اور عبادہ رضی اللہ عنہما نے عہد نبوی میں اپنی بیویوں کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجوع سے منع فرمایا تھا تاہم جہاں تک راقم الحروف کا مطالعہ ہے تو مجھے ان دونوں صحابہ کے طلاق دینے کا ثبوت نہیں ملا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجوع سے منع فرمایا ہو یہ محض افتراء ہے جس کا موصوف ثبوت مہیا نہیں کر سکتے مجھے یہاں امام قرطبی کا قول یاد آ گیا کہ انہوں نے فرمایا "فقہاء اہل الرائے میں سے بعض حضرات حکم کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کر دیتے ہیں جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی (ضعیف اور موضوع روایات ملخصاً ص ۵۰) اور علامہ عبدالحی لکھنوی نے تو مزید وضاحت کر دی۔ فرماتے ہیں "قوم حملہم علی الوضع التعصب المذہبی والتجمد التقلیدی" (الآثار المرفوعہ ص۱۲ طبع گھر جاکھ) حدیث ان لوگوں نے بھی وضع کیں جن کو مذہبی تعصب اور تقلیدی جمود نے وضع حدیث پر ابھارا ہے۔

بلاشبہ موصوف کوئی ایک صریح صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتے کہ کسی صحابی نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے اسے رجوع سے منع فرمایا ہو یا فرمایا ہو کہ اب تو اس سے نکاح نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے پتہ نہیں موصوف کو رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے پر ان کے تعصب نے ابھارا ہے یا وہ اس مسئلہ سے ناآشنا ہیں یا پھر بغیر علم کے فضلوا واضلوا کا کردار کر رہے ہیں۔

غیر مدخولہ کی طلاق

موصوف فرماتے ہیں ایک بھی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کی جاسکتی کہ کسی مدخولہ عورت کو طلاق ہوئی اور اسے تین طلاق دینے کے باوجود حضور نے اس کو رکھنے کی اجازت دی ہو پھر اس کے بعد ابوبکر کے دور میں بھی ایسا نہیں ہوا (ص ۲۵)

ہمیں یقین ہوتا جا رہا ہے کہ موصوف مفتی صاحب کی اس مسئلہ میں اپنی ذاتی تحقیق نہیں ہے بلکہ لکیر کے فقیر ہیں ورنہ ایسا دعوی نہ کرتے جس کے خلاف روز روشن کی طرح دلائل موجود ہیں مسلم ج۱ ص ۴۷۷ میں ابن عباس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک تھی بالکل صحیح بھی ہے غیر معارض بھی ہے اور اس میں غیر مدخولہ کی کوئی قید بھی نہیں لہٰذا یہ حدیث مدخولہ کے ایک مجلس میں تین طلاقوں کا ذکر ہے اور پھر رسول اللہ ﷺ نے جناب رکانہ رضی اللہ عنہ کو رجوع کا بھی اختیار دیا تھا بالکل واضح صریح اور غیر معارض ہے جیسا کہ انشاء اللہ تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

فاروقی فرامین

موصوف لکھتے ہیں سید فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت کے دوسرے تیسرے سال مسائل شریعہ کے بارے میں اعلانات فرمائے اور حرمت متعہ کا تاکیدی حکم جاری فرمایا اور یہ کہ جس عورت کو کہا جائے تجھے تین طلاق تو وہ تین شمار ہونگی اور بیس تراویح پر لوگوں کو جمع فرمایا کسی ایک شخص نے اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی قرآن و سنت کے ان احکامات پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا ہے۔ (۲۵)

موصوف نے ایک ہی سانس میں بہت سی خلاف واقع باتیں کہہ دیں اگر ہر بات پر تفصیلی بحث کی جائے تو یہ

مختصر تنقیدی مقالہ ایک کتاب کی صورت اختیار کر جائے تاہم اختصار کے ساتھ ہم ان احکامات پر تبصرہ کرتے ہیں۔

نکاح متعہ

اس میں کسی اہل سنت صاحب علم کو شک نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح متعہ کے حرام ہونے کا اعلان خود فرمایا تھا جیسا کہ عام کتب حدیث میں متعدد احادیث صحیحہ موجود ہیں جبکہ موصوف فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے اس کی حرمت کا تاکیدی حکم فرمایا تھا اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم موجود ہونے کے لئے مزید حضرت عمرؓ کے حکم کا محتاج تھا تو وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے کئی سال بعد؟ یہ تو خالص شیعہ زبان ہے جو موصوف نے استعمال کی ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ طلاق کے مسئلے میں موصوف نے اہل حدیث کو شیعہ ہمنوائی کا الزام دیا ہے لیکن یہاں پہنچ کر ان کی پوری ترجمانی کی ہے اہل سنت سے تو ایسی بات کا صدور ناممکن ہے۔

بیس رکعات تراویح پر اجماع

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعت پر جمع کیا موصوف کا یہ تاریخی جھوٹ ہے جو حقیقت کے بھی برعکس ہے مفتی صاحب کیا ان کے ساتھ اور بھی اسی قسم کے کئی مفتی صاحبان مل جائیں تو یہ کبھی ثابت نہیں کر سکیں گے کہ جناب امیر المؤمنین عمرؓ نے کبھی لوگوں کو بیس تراویح کا حکم دیا ہو یا اس پر لوگوں کو جمع کیا ہو اس بارہ میں اصل واقعہ یہ ہے جو صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ جناب امیر المؤمنین نے گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا صحابی رسول سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں "**امر عمر بن الخطاب ابی ابن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة**" (موطا مع ضوء السالک ص ۱۷۱) عمر بن خطاب نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔

طلاق ثلاثہ اور جناب عمر رضی اللہ عنہ

موصوف نے اعتراف کیا ہے کہ جس عورت کو کہا جائے تجھے تین طلاق وہ تین ہی شمار ہوگی یہ امیر المؤمنین عمر کا فرمان تھا جس سے واضح ہے کہ تین کو تین تسلیم کرنا قرآن اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں ورنہ تین کو تین سمجھ کر نافذ کرنے کی نسبت امیر المؤمنین کی طرف نہ کرتے خود حضرت عمرؓ کے الفاظ بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کا اولا نفاذ امیر المؤمنین عمر کے عہد میں ہی ہوا تھا چنانچہ فرماتے ہیں۔

ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلوا امضیناه علیهم فامضاه علیهم
(مسلم ص۴۷۸ ج۱)

"لوگوں نے اس امر میں جلد بازی کی ہے جس میں ان کے لئے غور و فکر اور ٹھہراؤ کا موقع تھا اگر ہم تینوں کو ان پر جاری کر دیں؟ چنانچہ انہوں نے تینوں کو جاری اور نافذ کر دیا۔

یہ الفاظ صریحاً دلالت کرتے ہیں کہ ان کو جاری کرنے میں امیر المؤمنین کی اپنی رائے تھی کتاب و سنت سے نص نہ تھی اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں صحابہ کرام عموماً ایک مجلس میں تین طلاقیں نہیں دیتے تھے جیسا کہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

ان اصحاب رسول الله ﷺ کانوا یستحبون ان لا یزیدوا فی الطلاق الواحدة حتی تنقضی العدة فان هذا افضل عندهم من ان یطلق الرجل امراته عند کل طهر واحدة.

"صحابہ کرام کے ہاں یہی پسندیدہ تھا کہ وہ ایک طلاق سے زائد نہیں دیتے تھے جتی کہ اس کی عدت گزر جاتی ان کے ہاں یہی افضل تھا وہ تین کے بجائے ہر طہر میں ایک طلاق دیتے۔"

امام الاحناف ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

ان الصحابة کانو یستحبون ان یطلقها واحدة ثم یترکها حتی تحیض ثلاث حیض. (هدایه مع فتح القدیر ص ۳۲۷ ج ۳ و ابن ابی شیبة ص ۵۷ ج ۴)

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس میں طلاق دینے والے نے ایک مجلس میں تین اکٹھی طلاقیں دیں تو رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک رجعی قرار دے کر رجوع کرنے کا اختیار دیا۔ البتہ امیر المؤمنین عمرؓ کے دور میں یہ رواج چل نکلا کہ لوگ اکٹھی تین طلاقیں دینے میں جلد بازی سے کام لینے لگے تو امیر المؤمنین نے بطور تعزیر انہیں تین ہی نافذ کیا تھا۔

اجماع صحابہ

موصوف لکھتے ہیں ان احکامات پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا (۲۵)

مذکورہ تمام احکام جو موصوف نے بیان کئے ہیں ان میں بلاشبہ متعہ کے مسئلہ پر تمام صحابہ کرام کا اجماع تھا وہ اس لئے اجماع نہیں تھا کہ جناب عمرؓ نے حکم جاری فرمایا تھا بلکہ حرام ہونے پر صریح نصوص تھیں جس کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہوا تھا رہا بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرام کا اجماع تو اس کے باطل ہونے کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں اجماع تو دور کی بات ہے کسی صحابی سے انفراداً بھی بیس رکعات تراویح کا ثبوت نہیں۔ رہا یہ دعوی کہ ایک مجلس کی طلاق ثلاثہ کے ثلاثہ ہونے پر اجماع تو یہ تراویح کے مسئلہ سے بھی زیادہ مستبعد ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ کے ادوار میں تین کو ایک سمجھا جاتا تھا تو ہم کہتے ہیں اس صریح موقف کے خلاف کب اجماع ہوا کیا اجماع کا دعوی کسی

صحابی نے کیا تھا یا کسی تابعی نے یا پھر اکابر ائمہ احناف ثلاثہ میں سے کسی ایک نے دعوی کیا تھا کہ اس مسئلہ پر اجماع ہو گیا ہے؟ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس نام نہاد اجماع کا افسانہ صدیوں بعد گھڑا گیا ورنہ خیر القرون میں ایسا دعوی سننے اور دیکھنے میں نہیں آیا جس طریقہ سے یہ اجماع ثابت کرتے ہیں اس سے بہتر صورت عہد صدیقی میں تین کے ایک ہونے پر اجماع کا ثبوت ہے کیونکہ اس دور مبارک میں جبکہ اکابر صحابہ کی بھرپور جماعت موجود تھی اس بارہ میں اختلاف سامنے نہیں آیا یہی وجہ ہے کہ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''عہد صدیقی میں تمام صحابہ کرام جناب ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ تھے اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا۔اور نہ ہی عہد صدیقی میں اس بارہ میں دو مختلف قول مروی ہیں حتی کہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ قدیم اور پرانا اجماع ہے اختلاف تو جناب عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں پیدا ہوا تھا جو اس وقت سے لیکر آج تک چلا آ رہا ہے۔'' (طلاق اور شریعت محمدیہ ص ۲۷ بحوالہ اغاثة اللھفان)

اجماع اور نصوص صریحہ

حنفی اصول میں اجماع کا درجہ کتاب وسنت کے بعد ہے کہ اجماع تب حجت ہو گا جب وہ کتاب اللہ اور سنت رسول کی خلاف نہ ہو اگر وہ کتاب وسنت کی نصوص کے معارض ہے تو قابل حجت نہیں مفتی صاحب کا مفروضہ اجماع قابل اعتماد نہیں اس لئے کہ زیر بحث مسئلہ میں صریح نصوص موجود ہیں جیسا کہ ہم امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں کہ قرآن کریم میں طلاق رجعی کا ذکر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک مجلس کی اکٹھی تین طلاقوں کا ذکر نہیں جو فی الفور نافذ ہوں اسی طرح یہ اجماع حدیثی نصوص کے خلاف ہے جن کا اجمالا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے اور بقدر ضرورت بیان بعد میں آئے گا مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت جورکانہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہے حافظ ابن حجرؒ اس کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

هذا الحديث نص في المسئلة لا يقبل التاويل. (فتح الباری ص ۳۶۲ ج ۹)

''یہ حدیث اس مسئلہ میں نص اور دلیل ہے جو کسی قسم کی تاویل قبول نہیں کرتی۔''

لہٰذا ان نصوص کے ہوتے ہوئے اس مزعومہ اجماع کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس لئے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک اجماع کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی سند کتاب و سنت سے ہو۔

ذهب الائمة الاربعة و جمهور اتباعهم الى انه لا اجماع من غير اسناد الى دليل من الكتاب والسنة. (تیسیر الاصول ص ۲۲۹ للحافظ الزاهدی)

چونکہ مفتی صاحب کے موقف پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل موجود نہیں جس میں یہ ہو کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین شمار کی جائیں گی اور یہی موقف امیر المومنین کے خطاب سے سامنے آتا ہے کہ انہوں نے تین کو تین نافذ کرنے کی نسبت کتاب وسنت کی طرف نہیں کی بلکہ اپنی طرف کی ہے اگر اس مسئلہ میں ان کے سامنے کتاب وسنت سے کوئی نص موجود ہوتی تو ان کے نافذ کرنے کی نسبت اپنی طرف نہ کرتے بلکہ فرماتے کہ اللہ کی کتاب میں ایسے ہے یا رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے جیسا کہ شادی شدہ زانی کی حد کے بارہ میں فرمایا ''**رجم رسول الله و رجمنا بعده**'' (مسلم ح ۴۴۱۸ ص ۷۵۰ دارالسلام) لیکن طلاق ثلاثہ میں انہوں نے نسبت کتاب وسنت کی بجائے فلوا مضیناه کہہ کر اپنی طرف کی ہے۔

لہٰذا کتاب وسنت کی نصوص صریحہ کے مقابلہ میں اگر بالفرض کسی دور میں اجماع ہوا بھی ہو (حالانکہ اجماع ہوا نہیں) تو وہ ائمہ اربعہ کے اصول میں بالاتفاق قابل حجت نہیں ہے اس لئے کہ اگر ایسے اجماع کو حجت مانا جائے تو اس سے کتاب وسنت کا نسخ لازم آئے گا حالانکہ حنفی اصول یہ کہتا ہے کہ

عند وجود الكتاب والسنة المشهورة لا يحتاج الى الاجماع (نور الانوار ص ۲۲۶)

''کتاب اور سنت مشہورہ کی موجودگی میں اجماع کی محتاجگی نہیں ہے۔اور نہ ہی اجماع سے کتاب وسنت کے دلائل کا نسخ ہو سکتا ہے۔''

وكذا الاجماع عند الجمهور لا يصلح ناسخا لشئى من الادلة (نور الانوار ص ۲۱۴)

''اجماع کتاب وسنت کے دلائل کا ناسخ نہیں ہو سکتا۔''

دیگر آثار صحابہ

مفتی صاحب نے اپنے موقف میں چند ایک آثار بھی پیش کئے ہیں جن میں اکثر کی اسنادی حیثیت قابل اعتماد نہیں ہے ان آثار کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ کتاب اور سنت مرفوعہ صحیحہ کی موجودگی میں آثار صحابہ قابل عمل نہیں ہوتے جیسا کہ کتاب الجمعہ مرقاۃ شرح مشکوۃ اور فتح القدیر شرح ہدایہ اور دیگر فقہ واصول کی کتابوں میں موجود ہے کہ

'' **ان قول الصحابی حجة فيجب تقليده عندنا اذا لم ينفه شيء آخر من السنة** (مرقاۃ ص ۲۶۹ ج:۳)

جب مرفوع حدیث کے ہوتے ہوئے یہ آثار احناف کے نزدیک بھی قابل حجت نہیں تو پھر ان کو اپنے مقالہ کی زینت بنانا محض خالی رعب جمانا ہے کہ ہمارے پاس بہت دلائل ہیں حالانکہ ان آثار سے تو ان کے اپنے ہی اصول کی نفی لازم آتی ہے۔

خلافت عثمانی

موصوف لکھتے ہیں حضرت عثمان کے دور میں ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا ہے تجھے سو (۱۰۰) طلاق۔تو حضرت عثمان نے فرمایا تین طلاق

سے وہ تجھ پر حرام ہوگئی اور باقی ستانوے (۹۷) کا مزید گناہ ہوا (ص ۲۵)

اس روایت کا دارومدار معاویہ بن ابی یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ پر ہے جو اتباع تابعین میں سے ہیں اس کا مطلب ہے کہ ان کا کسی صحابی سے براہ راست روایت کرنا محال اور ناممکن ہے جب وہ کسی صحابی سے بغیر واسطہ کے روایت کریں گے تو منقطع ہوگی جو قابل حجت نہیں ہے (احکام طلاق ص ۲۱۲)

خلافت علی رضی اللہ عنہ

موصوف لکھتے ہیں: علیؓ نے فرمایا اگر کوئی اپنی بیوی کو کہے کہ تجھے تین یا تجھے ہزار طلاق تو اس سے عورت حرام ہو جائے گی اور تین طلاقیں نافذ ہوں گی۔ (ص ۲۵)

موصوف نے اس اثر کو خیر الفتاوی کے حوالہ سے بیان کیا ہے جو کوئی مستند کتاب نہیں بلکہ حنفی فتوؤں کا مجموعہ ہے البتہ یہ اثر ابن ابی شیبہ میں حبیب بن ابی ثابت کے طریق سے ہے اور حبیب سے روایت کرنے والے اعمش ہیں اور یہ دونوں ہی مدلس ہیں اور روایت معنعن ہے جو قابل حجت نہیں اس میں دوسری علت یہ ہے کہ حبیب کا اس روایت میں حضرت علیؓ سے سماع ثابت نہیں ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ یہی اثر امام بیہقی نے عن الاعمش عن حبیب عن بعض اصحابہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ (بیہقی ص ۳۳۵ ج ۷) جس سے واضح ہے کہ حبیب نے یہ روایت جناب علی رضی اللہ عنہ سے براہ راست نہیں کی بلکہ دونوں کے درمیان میں ایک واسطہ ہے جو مجہول ہے لہٰذا یہ روایت بھی مذکورہ علتوں کی وجہ سے قابل حجت نہیں ہے کیونکہ روایت کے حجت ہونے کے لئے اس کا صحیح ہونا ضروری ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا طلاق دینا

موصوف لکھتے ہیں: حضرت حسن نے اپنی بیوی سے فرمایا تجھے تین طلاق پھر آپ پریشان ہوگئے مگر کوئی مفتی نہیں تھا جو کہتا کہ آپ اگر چاہتے ہیں تو نکاح کرلیں یا رجوع کرلیں۔

راقم الحروف کہتا ہے مفتی کے فتوی کی تب ضرورت ہوتی جب یہ واقعہ رونما ہوتا حضرت حسن کے طلاق دینے کا یہ واقعہ ہی ایک افسانہ ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اسی لئے تو موصوف نے کسی مستقل ماخذ کا حوالہ نہیں دیا اس لئے انہیں معلوم تھا کہ حوالہ دینے سے حقیقت کھل جائے گی لیکن تاڑنے والے بھی نظر رکھتے ہیں یہ واقعہ دار قطنی میں عمرو بن شمر کے حوالہ سے ہے جو شیعہ ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث بھی وضع کرتا تھا امام ابن حبان فرماتے ہیں "صحابہ کرام کے بارہ میں بکواس بکتا تھا اور من گھڑت روایتیں بیان کرتا تھا" جوزجانی بھی فرماتے ہیں "زائغ کذاب ہے" سلیمانی فرماتے ہیں "حدیثیں وضع کرتا تھا" (التعلیق المغنی ص ۳۱ ج ۴ و میزان ص ۲۶۹ ج ۳) اس واقع کی ایک اور بھی سند ہے جس کا راوی محمد بن حمید رازی متکلم فیہ ہے جس کی ابوزرعہ نے تکذیب کی ہے کوسج فرماتے ہیں "میں گواہی دیتا ہوں کہ کذاب ہے" صالح جزرہ فرماتے ہیں "جھوٹ میں بڑا ماہر تھا" (میزان ص ۵۰ ج ۳) اس سند میں اور بھی چند علتیں ہیں جن سے یہ واقعہ بالکل بے ثبوت ہوجاتا ہے اور اس سند کا سیدنا حسن کی طرف انتساب غلط ہے۔

اور پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کسی مفتی کے فتویٰ کی تب ضرورت ہوتی اگر وہ خود عالم نہ ہوتے۔ وہ تو خود عالم و مجتہد تھے۔ انھیں کسی مفتی کے فتوے کی کیا ضرورت تھی۔ موصوف شاید اپنے اسی پیشوا کی اتباع میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر اعتراض کررہے ہیں۔

دورِ تابعین

موصوف لکھتے ہیں تابعین کے دور میں بھی یہ متفقہ فتوی تھا کہ تین طلاقوں سے تین ہی واقع ہوتی ہیں مگر اس دور میں ایک گناہ رافضیوں نے یہ کیا کہ ایک بوڑھے کو لگایا کہ تم یہ حدیث بیان کرتے پھرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اگر تین طلاقیں دے دے تو اس کو ایک قرار دیا جائے گا وہ بوڑھا خفیہ بیس سال تک اسی کو بیان کرتا رہا حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی خبر ملی تو فوراً اس کے پاس پہنچے اور اس نے اپنی غلط بیانی کا اعتراف کرلیا روافض کی سازش یہاں نہ چل سکی۔ (بیہقی ص ۳۳۹ ج ۷، ص:۲۶ ملخصاً)

اولا: ہم کہتے ہیں اس واقعہ کی صحت مشکوک ہے اس کی سند میں بعض رواۃ ایسے ہیں جن کا ترجمہ معروف کتب رجال میں نہیں ملا۔

ثانیا: اعمش سے اس واقعہ کو روایت کرنے والے ابو اسامہ حماد بن اسامہ ہیں جو مدلس ہیں (تہذیب ص ۳ ج ۳) اور روایت معنعن ہے۔

ثالثا: یہ شیخ جس کی طرف مذکورہ واقعہ منسوب ہے مجہول ہے پتہ نہیں وہ کون تھا اور کن لوگوں نے اس کو امیر المؤمنین علیؓ کی طرف یہ جھوٹ منسوب کرنے پر ابھارا تھا۔

رابعا: موصوف کا اسے رافضیوں کا گناہ قرار دینا صریحاً ظلم ہے بلاشبہ رافضی کذب بیانی میں تمام حدود کو پھلانگ جاتے تھے لیکن اس خاص واقعہ کو ان کی طرف منسوب کرنا افتراء پردازی ہے جو منصب افتاء کے منافی ہے اس لیے کہ بیہقی میں اس روایت کے ضمن میں رافضیوں کا ذکر نہیں ہے بفرض صحت اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ جیسا کہ اس نامعلوم بوڑھے نے جناب علیؓ پر جھوٹ باندھا تھا اسی طرح احناف کے اس مفتی نے رافضیوں پر جھوٹ باندھا ہے یہ عجیب فتوی ہے کہ اس میں جھوٹ بطور دلیل بولا جارہا ہے۔ یہ تو اس واقعہ پر ہلکا سا تبصرہ ہے اب ہم موصوف کے دعوی اجماع پر کہ تابعین کے دور میں یہ متفقہ فتوی تھا پر اپنی گذارشات پیش خدمت کرتے ہیں امام ابن الہمام کا محققین احناف میں بہت ارفع مقام ہے وہ فرماتے ہیں۔

قال قوم یقع به واحدة وهو مروی عن ابن عباس وبه قال ابن اسحاق ونقل عن طاوس و

عکرمۃ. (فتح القدیر ص ۳۲۹ ج ۳)

''ایک قوم کا یہی قول ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک ہے یہی قول ابن عباس سے مروی ہے اور یہی قول محمد بن اسحاق کا ہے طاوس اور عکرمہ سے بھی یہی منقول ہے۔''

علامہ عینی حنفی بھی فرماتے ہیں۔

وذهب طاوس و محمد بن اسحاق والحجاج بن ارطاة والنخعي وابن مقاتل والظاهرية الى ان الرجل اذا طلق امراته ثلاثا معاً فقد وقعت واحدة (عمدة القاري شرح بخاري ص ۲۳۳ ج ۲۰)

''امام طاوس، عکرمہ، نخعی اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ تابعی ہیں'' پتہ نہیں موصوف نے ان ائمہ کو تابعین میں کیوں شمار نہیں کیا اور ان کا موقف موصوف کی ذات گرامی سے کیوں اوجھل رہا بہر حال موصوف کا یہ کہنا کہ تمام تابعین کا متفقہ فتویٰ تھا کہ تین تین ہیں حقائق کے منافی اور باطل ہے۔

اتباع تابعین کا دور

موصوف لکھتے ہیں اس کے بعد تبع تابعین کا دور آیا اس میں امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے مذاہب مدون ہوئے ان تینوں مذاہب میں بالاتفاق یہی مسئلہ لکھا گیا کہ ایک مجلس کی دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہونگی (ص ۲۶)

ہمیں موصوف کی تاریخ المذاہب اور ان کی تدوین کے بارہ میں سخت شکوہ ہے انہوں نے آنکھیں بند کر کے بغیر کسی تحقیق کے سنی سنائی باتیں زیب رقم کر دی ہیں اس بے چارے کو یہ بھی علم نہیں کہ امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ کے مذہب کی تدوین کس دور میں ہوئی اور پھر امام احمد بن حنبلؒ کو اتباع تابعین میں شمار کرنا عجب تاریخ دانی ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ ''امام احمدؒ کی کسی تابعی سے ملاقات نہیں ہے'' (تقریب ص ۱۰) جب امام احمد اتباع کے دور میں ہی نہیں تھے تو ان کا مذہب کیا ان کی پیدائش سے پہلے مدون ہو چکا تھا؟

تدوین مسند امام اعظم

موصوف نے مسند امام اعظم کو بھی تبع تابعین کے دور کی تصنیف قرار دیا ہے حالانکہ یہ بات ایک طالب علم کے علم میں بھی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے کوئی مسند تصنیف نہیں کی تھی مسند امام اعظم (جامع المسانید) کے نام پر جو مجموعہ ہے وہ ابوالمؤید خوارزمی کا جمع کردہ ہے جسے انہوں نے ساتویں صدی ہجری میں جمع کیا ہے پھر اس کی اسناد امام صاحب تک انتہائی مشکوک ہیں ان میں بعض متہم اور کذاب راوی بھی ہے۔

مسند احمد اور مسئلہ طلاق

موصوف نے بڑا دعویٰ کیا ہے کہ مذاہب ثلاثہ جن میں ایک مذہب حنبلی بھی ہے ان تینوں میں بالاتفاق یہی مسئلہ لکھا گیا ہے کہ ایک مجلس کی دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہونگی (ص ۲۶)

ان کا یہ دعویٰ بھی محض خوش فہمی پر مبنی ہے اس لیے کہ حنبلی مذہب کی عمدہ دستاویز مسند ہے اور اس میں یہ حدیث صحیح الفاظ سے مروی ہیں کہ رسول اللہ نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک رجعی قرار دیا تھا (ص: ۲۶۵، ج ۱)

کتب حدیث

موصوف نے اس دور میں مدون شدہ بعض کتب کے نام گنوائے ہیں اور فرمایا ہے ان میں ایک بھی حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش نہیں کی جاسکتی نہ مرفوع نہ موقوف نہ مقطوع (ص ۲۶)

ان کتابوں میں جن کے موصوف نے نام گنوائے ہیں مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ بھی ہیں ان میں صحیح صریح مرفوع غیر معارض بمسئلہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تین کو ایک شمار کیا جاتا تھا اور عبدالرزاق میں ثلاثا جمیعا کے الفاظ ہیں تینوں اکٹھی کو ایک شمار کیا جاتا تھا (مصنف عبدالرزاق ص ۳۹۲ ج ۶ و ابن ابی شیبہ ص ۶۹ ج ۴)

اور عبدالرزاق میں عن ابن جریج اخبرنی بعض بنی رافع عن عکرمۃ کے طریق سے ہے کہ۔

طلق رجل على عهد النبي ﷺ امراته ثلاثا فقال النبي ﷺ ان يراجعها قال اني قد طلقتها ثلاثا قال قد علمت وقرأ النبي ﷺ اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن قال فارجعها. (عبدالرزاق ص ۳۱۹ ج ۶)

''ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا رجوع کر لو وہ کہنے لگا میں نے تو تین طلاقیں دی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں مجھے معلوم ہے پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کی عدت پر طلاق دو فرمایا رجوع کر لو''

اس کی سند میں بعض ابی رافع مجہول ہے لیکن مسند احمد کی روایت کی وجہ سے یہ صحیح اور پھر یہ حنفی اصول کے مطابق بلاشبہ صحیح ہے بزدوی کہتے ہیں۔

ان خبر المجهول من الصدر الاول مقبول عندنا (اصول بزدوی)

''بلاشبہ صدر اول کے مجہول راوی کی خبر ہمارے ہاں مقبول ہے بعض بنی رافع تابعی ہیں۔ جو صدر اول سے تعلق رکھتے ہیں''

ان دونوں روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کتب حدیث پر موصوف کی نظر نہیں ہے ورنہ اتنا نادانی کا دعویٰ نہ کرتے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک ہے کا ان کتابوں میں وجود ہی نہیں ہے۔

تدوین فقہ

موصوف فرماتے ہیں اس تابعی کی صدی میں ۱۴۵ھ

سے ۱۵۰ھ تک حنفی مذہب مدون ہو گیا جو کتاب وسنت کی پہلی مکمل تشریح اور تعبیر تھی۔ (ص ۲۶)

یہاں پہنچ کر تو موصوف کی تاریخ المذاہب کے بارہ میں ساری معلومات کا بھرم کھل گیا ہے موصوف کو تو اتنا بھی علم نہیں کہ حنفیت کی کب تدوین ہوئی کتنا بڑا دعوی ہے کہ فقہ حنفی تابعین کے دور میں پایا تکمیل کو پہنچ چکی تھی کیا خوب تحقیق ہے ان کی اس انوکھی تحقیق پر انہیں ضرور داد دینی چاہئے کیونکہ انہوں نے ایک ایسا تاریخی انکشاف کیا ہے جس سے بانی مذہب بھی نا آشنا تھے اس میں تو اختلاف نہیں کہ فقہ حنفی امام ابوحنیفہؒ، قاضی ابو یوسفؒ، زفرؒ، محمدؒ اور بعض دیگر علماء احناف کے اقوال کا مرکب ملغوب ہے اور ان میں سے کوئی ایک بھی تابعی نہیں حتی کہ امام صاحب جن کی طرف اس مذہب کا انتساب ہے ان کی بھی کسی صحابی سے ملاقات نہیں اس بارہ میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں وہ سب ضعیف بلکہ من گھڑت ہیں جب یہ تمام حضرات تابعی نہیں ہیں تو پھر ان کا تابعین کے دور میں مذہب کیسے مدون ہو گیا۔

قارئین کرام! آپ پریشان نہ ہوں تاریخ سازی میں ایسے ہی گل کھلتے ہیں موصوف نے تو تابعین کے دور پر اکتفاء کیا ہے ایک ازہری صاحب لاہور میں ہوئے ہیں انہوں نے دعوی کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی تقلید عہد صحابہ میں شروع ہو چکی تھی (تاریخ الفقہ ص ۵۸) گویا کہ یہ ایسی فقہ شریف ہے کہ جس کی تدوین اس کے بانی اور موجد سے پہلے ہی معرض وجود میں آچکی تھی موصوف نے یہ بھی دعوی کیا ہے کہ فقہ حنفی کی تدوین ۱۴۵ھ تا ۱۵۰ھ تک ہو چکی تھی ہم کہتے ہیں پتہ نہیں موصوف کو یہ مشن سونپا گیا ہے کہ تاریخ کے قلابے بدل دو یا پھر کسی خوش فہمی میں یہ سب کچھ نوک قلم پر آ گیا ہے۔

اولاً: حنفی مؤرخین کے بقول امام صاحب ۱۴۵ھ یا ۱۴۶ھ میں قید میں ڈال دیئے گئے اور پھر باقی ایام زیست قید میں ہی کاٹے اگر موصوف کی ۱۴۵ھ میں تدوین کی بات صحیح مان لی جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس فقہ کی تدوین امام صاحب کی حیات پس دیوار زنداں کے دوران ہوئی جبکہ یہ قطعاً ثابت نہیں کہ امام صاحب نے گرفتاری سے قبل یا گرفتاری کے بعد اپنے دست مبارک سے فقہ کے نام پر کوئی کتاب تحریر کی ہو۔

ثانیاً: حنفیت کی تدوین کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ امام محمد نے اس میں نمایاں کردار ادا کیا ہے تو اگر یہی فقہ ۱۴۵ھ میں مکمل ہو چکی تھی تو اس وقت امام محمد کی عمر دس برس تھی اس لئے کہ موصوف کی ولادت ۱۳۵ھ میں ہوئی (سیرت نعمان ص ۳۸۲)

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں جس فقہ کی تدوین میں اہم کردار ایک دس سالہ بچے کا ہو وہ کیسی عمدہ فقہ ہو گی؟ حقیقت یہ ہے کہ ۱۴۵ھ یا ۱۵۰ھ تک فقہ حنفی کی کوئی کتاب مدون نہیں ہوئی تھی امام صاحب نے خود کوئی کتاب تالیف نہیں کی۔ رہی امام محمد کی بات تو وہ ۱۴۵ھ کو دس سالہ بچے تھے جو عمر وعلم کے اعتبار سے اس لائق نہ تھے کہ کوئی کتاب مرتب کر سکتے موصوف صاحب پر لازم ہے کہ وہ اپنے دعوی کے مطابق کسی ایک کتاب کی نشاندہی کریں جو ۱۴۵ھ تا ۱۵۰ھ کے عرصہ میں مرتب ہوئی ہو اور وہ صحیح ثابت ہو۔ ولن تفعلوا۔

کیا حنفیت کتاب وسنت کی تعبیر ہے

موصوف نے حنفیت کو قرآن وحدیث کی پہلی مکمل تشریح اور تعبیر قرار دیا ہے ہم کہتے ہیں اس دعوی کے پیچھے محض تعصب اور تقلیدی جذبہ ہے ورنہ حقائق کچھ اور ہیں۔

اولاً: موصوف کو علم ہونا چاہئے کہ حنفیت امام ابراہیم نخعی اور ان کے بعض ہم عصر علماء کے اقوال کی تشریح اور تخریج ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے "ابوحنیفہ سب سے زیادہ ابراہیم اور ان کے اقران کے مذہب کو لازم پکڑتے تھے اور اس سے بہت ہی کم تجاوز کرتے تھے نخعی کے مذہب کی تخریج اور تخریج کے وجوہ میں دقیق النظر تھے اور فروع پر مکمل توجہ تھی اگر تم ہمارے اس قول کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو کتاب الآثار محمد۔ جامع عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ سے نخعی اور ان کے اقران کے مذہب کی تلخیص کرو۔ پھر ابوحنیفہ کے مذہب کا موازنہ ان کے مذہب سے کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ ان کا اختلاف ان سے چند اقوال میں ہے اور وہ بھی ان مختلف اقوال میں فقہاء کوفہ کے مذہب کے باہر نہیں جاتے۔ (حجۃ اللہ ص ۱۴۶ ج ۲)

یہ ہے اس فقہ کی حقیقت یہی وجہ ہے کہ امام صاحب سے علم حدیث کا ذخیرہ بہت کم مروی ہے اور جتنا مروی ہے کم ہونے کے باوجود اس کا بھی بہت سارا حصہ ضعف سے خالی نہیں۔ خود امام صاحب سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے قاضی ابو یوسف سے فرمایا تھا۔

لا تروو عني شيئاً فو الله ما ادري امخطي انا ام مصيب. (كتاب السنة ص ۲۲۶ ج ۱ و تاريخ بغداد ص ۴۲۲ ج ۱۳)

"تم مجھ سے کچھ بھی بیان نہ کیا کرو مجھے معلوم نہیں کہ میں اس میں سے خطا کرتا ہوں یا درست۔" اور فرمایا

ويحك يا يعقوب لا تكتب كل ما تسمع مني فاني قد ارى الراى اليوم واتركه غداً وارى الراى واتركه بعد غد. (تاريخ ابن معين ص ۶۰۷ ج ۲)

"اے یعقوب (قاضی ابو یوسف) تجھ پر افسوس تو جو مجھ سے سنے اسے نہ لکھا کر۔ میں آج ایک رائے قائم کرتا ہوں تو اسے کل چھوڑ دیتا ہوں"

فقہ حنفی کو قرآن وسنت کی پہلی تشریح وتعبیر قرار دینا موصوف کی بڑی جرأت ہے اس لیے کہ صاحب مذہب سے بسند صحیح شاید اتنے قلیل مسائل منقول ہیں جو انگلیوں کے پوروں پر گنے جا سکتے ہیں رہی وہ کتب جن کو موصوف قرآن وسنت کی پہلی تشریح وتعبیر خیال کرتے ہیں جو فقہ کے نام پر دفتروں کے دفتر' جلدوں کی جلدیں مدارس کی

زینت بنی ہوئی ہیں یقیناً صاحب مذہب (امام ابوحنیفہ) کا ان سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رقمطراز ہیں۔

میں نے بعض لوگوں کو پایا جن کا گمان ہے کہ ان طویل شروحات اور بڑی بڑی فتوؤں کی کتابیں یہ ابوحنیفہ اور صاحبین کے اقوال ہیں چند سطور کے بعد فرماتے ہیں یہ سب احناف کی تخریجات ہیں حقیقت میں مذہب نہیں ہے بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ مبسوط سرخسی ہدایہ اور تبیین وغیرہ میں جو جدلی محاورات ہیں یہ بھی (فقہ حنفی) ہے انہیں معلوم نہیں کی محاورات کی ابتداً معتزلہ نے کی ہے یہ ان کے مذہب کی بنا نہیں ہے ہاں متاخرین نے اسے وسعت دے کر (حنفیت میں) شامل کر دیا (حجۃ اللہ ص ۱۶۰ ج ا ملخصا)

اگر فقہ حنفی کتاب وسنت کی اولین کامل تعبیر ہوتی تو اس میں معتزلہ اور متاخرین کے اقوال رجحات کو شامل نہ کیا جاتا کامل میں تو کچھ شامل نہیں ہوتا۔ ناقص میں زائد کو داخل کر کے کمی پوری کی جاتی ہے۔

تیسری صدی ہجری

مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ وہ اس صدی میں دو چار نامور علماء اور محدثین کے نام گنوائیں جنہوں نے خود کو حنفی یا شافعی کہلایا ہو۔ پھر موصوف نے جن علماء کے نام گنوائے ہیں ان میں سے ایک بھی امام کا مقلد نہیں تھا بلکہ یہ تمام ائمہ بذات خود مجتہد تھے ان میں سے کسی ایک نے کبھی تقلید کا دعوی نہیں کیا اگر ان ائمہ کو مقلد بنانے کا سوچا ہے تو بعد والوں کی کارستانی ہے ورنہ یہ تمام ائمہ کرام تقلید سے مبرأ کتاب وسنت کے متبع اور داعی تھے۔

موصوف فرماتے ہیں علامہ ذہبی نے ۱۷۱ جلیل القدر محدثین کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک بھی غیر مقلد نہیں تھا اور نہ ہی ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک طلاق ہونے کا قائل تھا (ص ۲۶)

معلوم ہوتا ہے موصوف صرف لکیر کے فقیر ہیں ان کی اپنی کوئی تحقیق نہیں موصوف نے مذکورہ عبارت خیر الفتاوی کے حوالہ سے لکھی ہے جیسے خیر الفتاوی کے مفتی کو تحقیق کی توفیق میسر نہ ہوئی تھی اسی طرح ہمارے موصوف نے بھی اس سے پہلوتہی کی ہے کیا یہ بہتر نہ تھا کہ موصوف ان ۱۷۱ محدثین میں سے دس پندرہ کے نام بتاتے جو کسی خاص فقہ کے مقلد تھے تاکہ حقیقت معلوم ہو جاتی اس لئے کہ اس دور میں کسی بڑے محدث کے بارہ میں یہ تصور ہی محال ہے کہ وہ کسی ایک مجتہد کا مقلد ہوتا۔

رہی موصوف کی یہ بات کہ اس دور میں کوئی ایک بھی محدث نہیں تھا جو تین کو ایک سمجھتا تو اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ موصوف نے مذکورہ کتابوں کو دورہ کی صورت میں شائد پڑھا ہو کہ ایک مجلس میں چالیس پچاس صفحات ایک کتاب کے پڑھ کر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ ہم نے کتب حدیث کا دورہ کر لیا ہے نہ سمجھنے کی کوشش نہ تحقیق کی طلب۔

چوتھی صدی ہجری

چوتھی صدی ہجری میں اہل سنت والجماعت میں کوئی مجتہد نہیں ہوا چاروں مذاہب کے عمل پیرا موجود تھے غیر مقلدین کا وجود ہی نہیں تھا۔ علامہ ذہبی نے اس صدی کے تقریبا ۲۰۲ جلیل القدر محدثین کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا قائل نہیں تھا اس صدی میں حدیث کی کتابیں مسند ابی یعلی، ابن الجارود، طبری، ابن خزیمہ، مشکل الاثار طحاوی، سنن دار قطنی وغیرہ لکھی گئیں امام طحاوی نے اس مسئلہ میں مفصل اور فیصلہ کن بحث فرمائی ہے۔ (ملخصا: ۲۷)

موصوف کے مذکورہ اقتباس پر کئی مواخذات ہیں

اولا: تو یہ کہنا کہ چوتھی صدی ہجری میں کوئی مجتہد نہیں ہوا ائمہ مجتہدین کے بارہ میں انتہائی ناقص معلومات پر مبنی ہے امام ابن خزیمہ اور طبری دونوں مستقل مجتہد تھے کسی ایک کے مقلد نہ تھے امام طحاوی بھی غیر مقلد تھے وہ فرمایا کرتے تھے تقلید نافرمان کرتا ہے یا غبی اور بے وقوف کرتا ہے (لسان ص ۲۸۰ ج ا)

ثانیا: طحاوی اور مسند ابی یعلی میں بسند صحیح احادیث موجود ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں اب اگر موصوف کو یہ کتابیں دیکھنے کی توفیق نہیں ہوئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ احادیث ہی ان کتابوں میں موجود نہیں امام طحاوی نے واقعۃً اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس بحث کے ضمن میں فرمایا ہے۔

فذهب قوم الى ان الرجل اذا طلق امراته ثلاثا معا فقد وقعت عليها واحدة اذا كانت فى وقت (شرح معانی الاثار ص: ۲۸، ج: ۱)

''ایک قوم کا یہ مذہب ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے تو وہ ایک ہوتی ہے''

امام طحاوی کے اس قول سے ثابت ہو گیا کہ ان کے دور میں یقینا ایک جماعت موجود تھی جو اکٹھی تین کو ایک شمار کرتے تھے۔

قارئین کرام! مفتی صاحب کے فتوی کی حقیقت افسانوی ہے جو مفروضات پر مبنی ہے۔ اسی طرح انہوں نے انہی مفروضات کی بناء پر ہر صدی کے بارہ میں ایسے دعوے کئے ہیں پھر آٹھویں صدی کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ

آٹھویں صدی میں دو نام ابن تیمیہ اور ابن القیم کے ہیں جو اس کے مخالف ہوئے لیکن تمام علماء نے ان کے فتوی کو رد کر دیا۔ (ص: ۲۸)

معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو غیب دانی کا بھی دعوی ہے اس لئے تو بہت بڑا دعوی کر دیا کہ آٹھ صدیوں میں کوئی ایک بھی تین کے ایک ہونے کا قائل نہیں ہوا۔ حالانکہ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ ہر دور میں علماء کی ایک جماعت اس

کی قائل رہی ہے ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک ہے۔ دور صدیقی میں صحابہ کرام دور اول میں شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سمیت تمام صحابہ اسی کے قائل تھے ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہوتی ہے پھر اختلاف عہد فاروقی کے تیسرے سال سے شروع ہوا آج تک چلا آ رہا ہے کبھی ایسا اتفاق اور اجماع معرض وجود میں نہیں آیا کہ عالم اسلام کے تمام علماء نے تین کو تین سمجھا ہو دور تابعین میں عکرمہ، طاؤس، محمد بن اسحاق رحمہم اللہ بھی تین کو ایک شمار کرتے تھے دور تبع میں صراحت کے ساتھ حجاج بن ارطاۃ کا ذکر ملتا ہے اور اس کے بعد امام محمد کے شاگرد محمد بن مقاتل بھی اسی کے قائل تھے چوتھی صدی ہجری میں اصحاب ظاہریہ بھی اسی کے قائل تھے۔ اس کے بعد کے دور میں علامہ طحاوی نے تفصیل کے ساتھ اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں ابن رشد اندلسی کا بھی یہی موقف تھا ابن رشد نے تو واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ۔

قال اهل الظاهر وجماعة حكمه حكم الواحدة (بداية المجتهد ص ۴۶ ج ۲)

''اہل ظاہر اور ایک جماعت اسی کی قائل ہے کہ تین اکٹھی کا حکم ایک ہے''

ساتویں صدی ہجری کے پہلے عشرہ میں معروف مفسر امام رازی شافعی کا بھی یہی موقف تھا (تفسیر کبیر)

تمام ادوار ابن تیمیہ اور ابن القیم سے پہلے کے ہیں، جن کا ان دونوں اماموں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

علماء اہلحدیث اور طلاق

بلاشبہ علماء اہلحدیث میں سے چند ایک کے علاوہ تمام علماء کا یہی متفقہ فتوی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہیں۔ وہ اس لئے نہیں کہ یہ امام ابن تیمیہ کے فتوی سے متاثر ہیں بلکہ اس لئے کہ کتاب وسنت کی صریح نصوص اس کی طرف راہنمائی کرتی ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوتی ہے لہذا موصوف نے جس انداز سے علماء اہلحدیث کی اس مسئلہ میں علت بیان کی ہے وہ قابل تحسین نہیں بلکہ موصوف کے خبث باطن کا اعلانیہ اظہار ہے کہ اس مسئلہ کو انگریزی اقتدار کے ساتھ منسلک کرنے کی کوشش کی ہے یہ بات الگ ہے انگریز کے خلاف جہاد کرنے والے بھی علماء اہلحدیث تھے جن کو موصوف مطعون قرار دے رہے ہیں اور انگریز کے ہم نوالہ وہم پیالہ بلکہ بھاری بھاری تنخواہیں وصول کرنے والے۔ اور بچشم تصوف خضر کو انگریز کی حمایت میں لڑتے ہوئے دیکھنے والے اور تلوار کی جگہ اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کرنے والے بھی علماء دیوبند تھے جن کے مبارک ہاتھوں انگریز کا اقتدار پختہ ہوا تھا کسی اہل حدیث عالم نے انگریز کی حمایت میں تلوار نہیں اٹھائی تھی بلکہ اس کی مخالفت میں اپنی ہر قسم کی دنیاوی متاع لوٹا کر اخروی متاع کا ذخیرہ کیا تھا۔ فرحمهم الله اجمعين۔

مولانا امرتسری اور محدث روپڑی

موصوف لکھتے ہیں تین رجب ۱۳۲۴ھ کو مولوی ثناء اللہ نے اجماع صحابہ اور مذاہب اربعہ کے خلاف فتوی دیا اسے بھی غیر مقلدین نے تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم عبداللہ روپڑی نے اس کا رد لکھا۔ (ص ۲۸)

اولاً: موصوف کا اکابر علماء اہلحدیث کے بارہ میں انداز تحریر تو آپ نے محسوس کر لیا ہو گا گویا کہ وہ مفتی صاحب سے علم وعمر میں کم درجہ ہیں کیا ادب کی بھی ٹھکیداری ہے؟

ثانیاً: موصوف نے حافظ عبداللہ محدث روپڑی کے رد کا کوئی حوالہ نہیں دیا اس لئے جھوٹ ہی محسوس ہوتا ہے اس لئے کہ محدث روپڑی کا بھی وہی موقف تھا جو عام علماء اہلحدیث کا ہے البتہ دیوبندی حضرات پہلے بھی حضرت محدث روپڑی کے بارہ میں اس قسم کے شوشے چھوڑتے رہے ہیں۔ حضرت حافظ محدث روپڑی کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہی ''ایک مجلس کی تین طلاق'' ہے خاندان روپڑیہ کے علمی وارث اور محدث روپڑی اکیڈیمی کے ڈائریکٹر جناب عبدالوہاب روپڑی فاضل مکہ یونیورسٹی مکہ مکرمہ نے یہ کتاب دوبارہ تخریج کے ساتھ شائع کی ہے اس کے شروع میں ''عرض ناشر'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

۱۹۳۲ء میں مسئلہ طلاق کے متعلق بھی غلط فہمیاں پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی تو محدث روپڑی رحمہ اللہ نے اس حساس مسئلہ پر قلم اٹھا کر مسلمانوں کی راہنمائی فرمائی کہ ایک مجلس کی تین طلاق رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق (حدیث رکانہ کی طرف اشارہ ہے) ایک ہی طلاق شمار ہوتی ہے۔ چند سطور کے بعد لکھتے ہیں اس کتاب کو اس لئے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے کہ ''چونکہ علماء مقلدین نے اس مسئلہ پر اپنی تحریرات کی تائید میں حضرت محدث روپڑی کی تحریر کو تحریف کر کے اس لیے پیش کیا کہ حضرت محدث روپڑی رحمہ اللہ تعالی کا یہ رسالہ نایاب تھا متداول نہیں تھا (ص ۵) ایسے لگتا ہے کہ جن حقائق کا اظہار مکرمی عبدالوہاب روپڑی نے اپنے الفاظ میں کیا ہے کہ مقلدین نے حضرت محدث روپڑی کی تحریر میں تحریف کی ہے موصوف مفتی صاحب نے بھی اس میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ واللہ اعلم۔

غیر مقلد بنانے کی سازش

موصوف لکھتے ہیں مقلدین نے سوچا کہ حنفی کو غیر مقلد بنانے کا بہترین ذریعہ ہے۔۔۔۔۔ اکثر غیر مقلد اسی وجہ سے بنے ہیں۔ (ص ۲۸ ملخصاً)

کتنا کمال انکشاف فرمایا جناب مفتی گرامی قدر نے۔ کہ مقلد کے کوئی پاؤں نہیں صرف ایک مسئلہ کی خاطر اپنے مذہب کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ موصوف کو تو اس پر اپنے مقلدین پر ملامت کرنی چاہئے کہ وہ اپنا مذہب کیوں چھوڑتے ہیں بھلا اس میں مسئلہ بتانے والے کا کیا قصور؟ مسائل تو تم بھی بتاتے ہو مگر تمہارے کہنے پر کوئی پختہ کار اہلحدیث کبھی تمہارے قول واقوال کا گرویدہ ہوا ہے؟ جبکہ

اب تو کتابیں چھپ چکی ہیں کہ اہل حدیث مبارک قافلہ میں سینکڑوں تمہارے اولوالالباب اصحاب شامل ہو چکے ہیں مقلدین کے اہلحدیث ہونے کی وجہ یہ نہیں جو موصوف نے بیان کی ہے حال ہی میں گوجرانوالہ سے ایک ضخیم کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے ''ہم اہلحدیث کیوں ہوئے'' جو پڑھنے کے لائق ہے اصل بات یہ ہے کہ اہلحدیث کتاب وسنت کی نصوص کے مطابق فتوی دیتے ہیں جس میں آراء الرجال کو بنیاد نہیں بنایا جاتا ہے تو سائل دلائل سے متاثر ہو کر اہلحدیث ہو جاتا ہے (راقم کے علم میں نہیں کہ کسی اہلحدیث مفتی نے سائل پر یہ شرط عائد کی ہو کہ تو پہلے اہلحدیث ہو پھر میں فتوی دیتا ہوں الحمدللہ اہلحدیث میں ایسی تنگ نظری نہیں ہے اور نہ ہی انہیں اپنے مسلک کے کمزور ہونے کا احساس ہے) کیونکہ مسلک اہلحدیث رجال کا وضع کیا ہوا نہیں بلکہ منزل من اللہ ہے جو اللہ تعالی نے محمد رسول اللہ ﷺ پر کتاب قرآن اور حدیث کی صورت میں نازل کیا ہے بس یہی اس مسلک کی کشش ہے جسے اس کا ادراک ہو جاتا ہے تو وہ آراء الرجال کو ترک کر کے کتاب وسنت کے دامن میں آجاتا ہے۔

موصوف کا یہ مبالغہ ہے کہ اکثر لوگ اس مسئلہ کی وجہ سے غیر مقلد ہوتے ہیں شاید برصغیر میں تو یہ نوعیت پیدا نہ ہوئی ہو البتہ ایران جو کبھی اہل سنت کا گڑھ تھا تمہارے طلاق ثلاثہ کے ایک فتوی کی وجہ سے وہ شیعت کی گود میں چلا گیا اگر اس دور کے مقلد حضرات اس مسئلہ میں تدبر سے کام لیتے تو ایران پر آج شیعی راج نہ ہوتا۔

برصغیر میں جو مقلدین حضرات اہلحدیث ہوتے ہیں ان میں سے اکثر لوگ تقلید۔ رفع الیدین۔ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ۔ تراویح اور بعض دیگر مشہور اختلافی مسائل پر کسی طریقہ سے تحقیق کر کے اہلحدیث ہوتے ہیں اور اب بھی الحمدللہ ہو رہے ہیں قد صدق من قال الحق یعلو ولا یعلی علیه.

مسئلہ طلاق میں جب حلالہ کا تذکرہ آتا ہے سلیم طبع اس سے گھن کھاتی ہیں لوگ مفتیوں کا دھندہ قرار دے کر اسے خیر باد کہہ کر مسلک اہلحدیث کو قبول کر لیتے ہیں اس لئے کہ یہی واحد مسلک ہے جو کتاب وسنت کے عین موافق ہونے کی وجہ سے اقرب الی الفطرت ہے یہ ہے مقلدین کے اہلحدیث ہونے کی اصل حقیقت جسے مفتی موصوف نے اوچھے انداز میں مسخ کیا ہے۔

مفتی صاحب کے دلائل

اب تک جو بحث ہوئی ہے وہ مفتی صاحب کے مفروضات کے بارہ میں تھی جن پر انہوں نے اپنے فتوی کی بنیاد رکھی ہے ہم نے ان کی اصلیت واضح کر دی کہ ان مفروضات کے ذریعے انہوں نے آنکھیں بند کر کے حقائق کا خون کیا ہے۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے حدیث سے چند روایات پیش کی ہیں۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں ان احادیث کا مفتی صاحب کے موقف سے کیا تعلق ہے۔ وباللہ التوفیق۔

دلیل نمبر ۱۔ موصوف نے بحوالہ بخاری یہ حدیث پیش کی ہے کہ **فطلقها ثلاثا قبل ان یامره النبی** ﷺ. (ص ۲۸)

راقم الحروف کہتا ہے بخاری شریف اور دیگر کتب میں جہاں بھی یہ حدیث آئی ہے لعان کے بارہ میں ہے اس حدیث کا زیر بحث مسئلہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اس لئے کہ تقریبا تمام ائمہ کا اتفاق ہے جن میں احناف بھی شامل ہیں کہ لعان بذات خود تفریق ہے جس میں طلاق کی ضرورت نہیں مولانا سہارن پوری حنفی حاشیہ بخاری میں لکھتے ہیں۔

قال الجمهور منهم ابو حنيفه و مالك و الشافعي على ان الفرقة نفع بينهمابنفس للعان (حاشيه بخارى ص ۷۹۵)

جمہور ائمہ جن میں ابوحنیفہ۔ مالک اور شافعی بھی شامل ہیں ان کا یہی موقف ہے کہ ان دونوں کے درمیان تفریق نفس لعان سے ہوئی ہے میرا خیال ہے کہ اگر مفتی صاحب کسی اور حنفی بزرگ سے دریافت کرتے کہ لعان میں تفریق لعان سے ہوئی تھی یا طلاق سے تو وہ انہیں ضرور بتا دیتے کہ تفرقہ لعان سے ہوا ہے لعان سے تفرقہ کا معنی یہ ہے کہ اس میں طلاق کی ضرورت نہیں اور لعان میں طلاق کا وجود عدم کے برابر ہے جس سے واضح ہے کہ موصوف کی یہ دلیل ان کے موقف کے مطابق نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۲۔ فرماتے ہیں ابن ماجہ نے باب باندھا ہے **من طلق ثلاثا فی مجلس واحد**۔ کہ فاطمہ بنت قیس کو ایک مجلس میں تین طلاقیں ملی تھیں (ص ۲۸)

امام ابن ماجہ نے بھی باب قائم کیا ہے لیکن کیا جناب فاطمہ کو تین طلاقیں اکٹھی ہوئی تھیں یہ بات کسی طریق سے ثابت نہیں بلکہ ثابت شدہ حقیقت یہ ہے جس سے کسی بھی عالم کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جناب فاطمہ کو تین طلاقیں الگ الگ موقعوں پر ہوئی تھیں فاطمہ رضی اللہ عنہا خود اپنے طلاق کے واقعہ کو بیان کرتی ہیں۔

ان ابا عمر بن حفص خرج مع علی بن ابی طالب الی یمن فارسل الی امراته فاطمة بنت قیس بتطلیقة کانت بقیت من طلاقها. (مسلم ص ۴۸۴ ج ۱)

''حضرت فاطمہ کے خاوند ابو عمر جناب علی کے ساتھ یمن گئے تو انہوں نے وہاں سے ایک طلاق بھیجی جو اس کی طلاقوں سے باقی تھی۔''

ایک اور دوسری حدیث میں ہے۔

عن فاطمة بنت قیس انها اخبرته انها کانت عند ابی عمرو بن حفص فطلقها آخر ثلاث تطلیقات. (دار قطنی ص ۲۹ ج ۴)

ایک اور تیسری حدیث ہے

قالت کنت عند ابی عمر بن حفص وکان قد طلقنی تطلیقتین ثم انه سار مع علی بن ابی طالب الی الیمن حین بعثه رسول اللہ ﷺ

فبعث الی بتطلیقتی الثالثه. (مسند احمد ص ۴۱۴ ج ۶)

''فاطمہ فرماتی ہیں میں ابوعمر کی بیوی تھی اس نے مجھے دوطلاقیں دیں پھر وہ علی کے ساتھ یمن چلا گیا تو وہاں سے مجھے تیسری طلاق بھیجی۔''

اس سے واضح ہوا کہ فاطمہ بنت قیس کو ایک مجلس میں تین طلاقیں نہیں ہوئی تھیں بلکہ ان کے الگ الگ مواقع تھے جس سے موصوف کا ابن ماجہ کے باب سے استدلال عبث اور لغو ہو جاتا ہے استدلال تب درست ہوتا ہے جب زیر بحث واقعہ طلاق باب کے موافق درست ہوتا جب اصل واقعہ ہی مختلف ہے تو پھر اس سے استدلال بھی درست نہ ہوا۔

تیسری دلیل۔ فرماتے ہیں بخاری میں ہے۔قال اللیث عن نافع عن ابن عمر۔لیث نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابن عمر سے پوچھا جاتا تو آپ ارشاد فرماتے اگر تو تین طلاقوں کی بجائے ایک یا دو طلاقیں دیتا تو رجوع کی گنجائش ہوتی کیونکہ رسول اللہ نے مجھے ایسے ہی حکم دیا ہے کہ اگر تو تین طلاق دے دے تو جب تک عورت دوسرے کے ساتھ نکاح نہ کرے تو وہ عورت تمہارے اوپر حرام رہے گی۔(ص۲۹)

موصوف کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے..........حرام رہے گی'' تک کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کے فرمودہ ہیں کیونکہ ترجمہ میں تسلسل قائم رکھا ہے حالانکہ یہ الفاظ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ہیں۔اس میں کیا شک ہے کہ تین طلاقوں کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے بات مطلق تین طلاقوں کی نہیں اختلاف تو ایک مجلس میں تین طلاقوں کے تین ہونے پر ہے جو ابن عمر کے اس اثر میں ثابت نہیں لہٰذا موصوف کی یہ دلیل بھی ان کے موقف پر دلالت نہیں کرتی۔

چوتھی دلیل۔ بحوالہ بخاری ذکر کی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں (ص۲۹)

اس حدیث میں قطعاً نہیں کہ اس شخص نے تین اکٹھی طلاقیں دیں تھیں مطلق تین کو بغیر دلیل کے اکٹھی تین بنانا تحکم ہے اور من مرضی کا مطلب کشید کرنا ہے۔

پانچویں دلیل۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ ﷺ نے غصے سے کھڑے ہوتے ہوئے فرمایا میرے ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب کا مذاق اڑایا جاتا ہے اس روایت کا حوالہ بخاری ص ۷۹۱ ج ۲ کا دیا ہے حالانکہ یہ روایت بخاری میں موجو نہیں ہے پھر اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔مطلب یہ تھا کہ اگر ایک یا دو طلاقیں دیتا تو پھر رجوع ہو سکتا تھا (ص۲۹)

موصوف نے جو مفہوم بیان کیا ہے حدیث کے الفاظ اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتے بلکہ یہ مفہوم افتراء کے زمرہ میں آتا ہے اس حدیث سے تو ظاہر حکم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین اکٹھی پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔حتیٰ کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کے غصے کی کیفیت دیکھ کر عرض کیا اللہ کے رسول کیا میں اسے قتل نہ کر دوں اگر معاملہ ایسے ہوتا جیسا کہ مفتی صاحب باور کرا رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ اس پر غصے کا اظہار نہ کرتے لہٰذا یہ روایت بھی موصوف کے موقف کی دلیل نہیں ہے امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث سے اکٹھی تین طلاقیں واقع ہونے پر استدلال پکڑنا حقائق کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے اور اس سے بڑا احتجاج تو اس کے حرام ہونے پر دلالت کرتا ہے جواز پر نہیں اور تین واقع ہونے پر استدلال الکل پچو اور فرضی خیال ہے اور حدیث میں اپنی طرف سے زیادتی کرنا ہے جو اس میں نہیں ہے۔

اس حدیث میں ان کے استدلال کی کوئی وجہ نہیں لیکن مقلد اپنے مذہب کی حمایت میں کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس عمل کی اجازت دیں جو کتاب اللہ سے استہزاء اور مذاق ہو۔آپ اس استہزاء کو صحیح قرار دیں اور اس کا شرعی اعتبار بھی کرے اور اسے نافذ بھی کر دے۔ حالانکہ آپ ﷺ اسے خود ہی کتاب وسنت سے استہزاء بھی قرار دیں۔

یہ حدیث تو صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین کے جمع کو مشروع قرار نہیں دیا اور نہ ہی اسے اپنے احکام میں شمار کیا ہے۔(اغاثۃ اللفہان ص۳۴۶ ج:۱)

یہ ہے موصوف کا استدلال جس کی حقیقت امام ابن القیم نے کھول کر رکھ دی ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ نے تین اکٹھی طلاقوں کو کتاب اللہ سے استہزأ قرار دیا ہے یہ تو مفتی صاحب کی جرأت ہے کہ وہ کتاب اللہ سے استہزأ کو بھی اللہ کا حکم قرار دیتے ہیں جبکہ اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا غضب بھی شامل ہے کیا غضب اور استہزاء کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم قرار دیا جاسکتا ہے؟ حاشا و کلا۔

چھٹی دلیل۔ بحوالہ موطا امام مالک (انہ بلغہ تحریر فرمائی ہے) کہ امام مالک کو یہ خبر پہنچی ہے کہ ابن عباس نے اس شخص کو فرمایا جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں کہ تین طلاقوں سے تیری بیوی تجھ پر حرام (طلاق) ہوگئی اور باقی ستانوے طلاقوں کے ساتھ تو تو نے اللہ تعالیٰ کو مذاق بنایا ہے۔(ص۲۹)

اولاً: سند کے لحاظ سے موطا کی یہ روایت منقطع ہے لہٰذا حجت نہیں ہے۔

ساتویں دلیل۔ مالک انہ بلغہ کے حوالہ سے بیان کی ہے کہ **ان رجل جاء الی عبد اللہ بن مسعود فقال انی طلقت امراتی مائۃ تطلیقات**....الخ (ص ۳۰) یہ روایت بھی منقطع ہے جو قابل حجت نہیں۔

مزید آثار صحابہ کرام!

موصوف نے ابن مسعود ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی چند آثار ذکر کیے ہیں

ان سب کا اجمالی جواب یہ ہے کہ آثار مرفوع حدیث

کے مقابلہ میں قابل حجت نہیں جیسا کہ احناف کا بھی یہی اصول ہے (فتح القدیر شرح ہدایہ ومرقاۃ شرح مشکوۃ کتاب الجمعہ)

لہٰذا یہ آثار مرفوع حدیث کے معارض ہیں جو قابل حجت نہیں ہیں۔

یہ کل دلائل تھے جو موصوف نے اپنے موقف میں بیان کئے آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن اور صحیح حدیث میں کوئی ایک بھی دلیل نہیں جو صریحاً موصوف کے موقف کو ثابت کرتی ہو اور یہی حق ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کے تین ہونے پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

لا نعرف احداً طلق علی عهد النبی ﷺ ثلاثا بكلمة واحدة فالزمه النبی ﷺ (مجموع الفتاوی ص ۱۲ ج ۳۳)

''ہم نہیں جانتے کہ کسی شخص نے نبی اکرم ﷺ کے عہد میں ایک کلمہ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دی ہوں تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں تین قرار دیا ہو۔

دلائل اہلحدیث پر تنقید

آخر میں موصوف نے اہل حدیث کے دلائل پیش کر کے ان میں تیشہ زنی کی ہے ہم ان کے اعتراضات کا بھی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

پہلا شبہ- کے نام سے عنوان قائم کر کے فرماتے ہیں ان کا استدلال مسند احمد میں ابن عباس کی روایت ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے وہ روایت اس طرح ہے۔

عن ابن عباس قال طلق ركانة عبد يزيد اخو بنی مطلب امراته ثلاثا فی مجلس واحد فحزن عليها حزنا شديداً قال فساله رسول الله ﷺ كيف طلقتها قال طلقتها ثلاثا قال فقال فی مجلس واحد قال نعم قال فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت قال فرجعها فكان ابن عباس يرى انما الطلاق عند كل طهر. (مسند احمد ص ۲۶۵ ج ۱. مسند ابی یعلی ص ۶۴ ج ۳. بیهقی ص ۳۳۹ ج ۷)

''ابن عباس فرماتے ہیں رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں پھر وہ اس پر سخت پریشان ہوا رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت کیا تو نے کیسے طلاق دی ہے؟ وہ کہنے لگا میں نے تین طلاقیں دی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا ایک ہی مجلس میں؟ اس نے کہا ہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ایک طلاق ہے اگر رجوع کرنا چاہتا ہے تو کر لے'' چنانچہ اس نے رجوع کر لیا ابن عباس کا خیال تھا کہ طلاق ہر طہر میں دینی چاہئے۔''

مفتی صاحب کی تنقید

موصوف فرماتے ہیں یہ روایت پوری نقل نہیں کی جاتی ہے بلکہ اس میں دانستہ یا نادانستہ تحریف کی جاتی ہے پوری روایت اس طرح ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں الگ الگ تین طلاقیں دیں تھیں حضور اکرم کے پاس آئے تو حضور اکرم نے اس کو کہا آپ نے کتنی طلاقوں کا ارادہ کیا تھا تو اس نے کہا میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا (ص ۳۱)

اہلحدیث نے مذکورہ حدیث میں کبھی تحریف نہیں کی اور نہ ہی مفتی صاحب اپنے اس الزام کو ثابت کر سکتے ہیں ان کا اہلحدیث پر تحریف کا الزام بہت بڑا افتراء ہے۔ قرآن وحدیث میں تحریف اہل حدیث نہیں کرتے بلکہ یہ شیوہ تو مفتی صاحب کے قبیل کا ہے۔ اگر اصول حدیث سے مفتی صاحب کو جانچا جائے تو یہ کم از کم متہم بالکذب ضرور قرار پاتے ہیں۔

جس روایت کی بنیاد پر مفتی صاحب نے اہلحدیث پر تحریف کا الزام لگایا ہے وہی روایت زیر بحث مسئلہ میں ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے اس لئے کہ وہ روایت تو مسند احمد میں موجود ہی نہیں تف ایسے لماز اور ھماز مفتی پر جو الزام لگاتے وقت اصل ماخذ کی طرف مراجعت بھی نہیں کرتے اور دوسروں پر تحریف جیسا گھناؤنا الزام بھی چسپاں کر دیتے ہیں۔

ہم اہل حدیث مسند امام احمد کے حوالے سے جو روایت پیش کرتے ہیں اس کے جملہ الفاظ گذشتہ سطور میں باحوالہ گذر چکے ہیں اور ان کا معنی بھی ازحد واضح ہے۔ حتیٰ کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

هذا الحديث نص فی المسئلة لا يقبل التاويل. (فتح الباری ج:۹ ص:۳۶۲)

صحیح حدیث کا رد ضعیف روایت سے

موصوف نے جس روایت کی وجہ سے اہلحدیث کو محرف گردانا ہے اور ان پر تحریف کا الزام لگایا ہے وہ روایت ہی سرے سے ضعیف ہے جسے ائمہ نقاد امام بخاری، امام احمد، امام عقیلی، امام عجلی اور دیگر متعدد ائمہ کرام نے بعض راویوں کے مجہول ہونے اور روایت کے مضطرب ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ارواء ص ۱۴۴ ج ۷ وطلاق اور شریعت محمدیہ ص ۱۵)

اہلحدیث مسند احمد کی جو روایت پیش کرتے ہیں اس کی سند صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور صدوق ہیں ائمہ کبار محدثین میں سے جس نے بھی اس حدیث کی تحقیق کی ہے اسے صحیح یا حسن قرار دیا ہے جن میں امام احمد بن حنبل، امام ابویعلی، امام ابن کثیر، امام یزید بن ہارون، امام ابن تیمیہ امام ذہبی محدث عصر، حافظ احمد شاکر، محدث جلیل ناصر الدین البانی رحمہم اللہ اجمعین اور شیخ الحدیث محمد علی جانباز حفظہ اللہ ہیں (ارواء ص ۱۴۵ ج ۷، شرح مسند احمد ''شاکر'' ص ۲۳۸۶ ج ۴۔ انجاز الحاجہ شرح ابن ماجہ ص ۵۲۴ ج ۶ نیل الاوطار ص ۲۶۱ ج ۶، طلاق اور شریعت محمدیہ ص ۱۳)

جب یہ واضح ہو گیا کہ مسند احمد کی یہ روایت صحیح ہے اور

جسے مفتی صاحب نے کامل روایت ٹھہرایا ہے وہ ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں لہذا اس ضعیف سے صحیح حدیث کا رد کرنا جائز نہیں اس لئے کہ ضعیف میں صحیح کے ساتھ معارضہ کی قوت نہیں ہوتی لہذا وہ قابل رد ہوتی ہے۔

دوسرا شبہ- کے عنوان کے تحت صحیح مسلم سے ابن عباس کی حدیث ذکر کی ہے فرماتے ہیں۔

كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر وسنتين من خلافة عمر الطلاق الثلاث واحدة. (مسلم ص ۴۷۸ ج ۱)

موصوف نے اس روایت کی سند اور معنی پر دو جہت سے اعتراض کئے ہیں اس کی صحت پر جو اعتراضات کئے ہیں وہ آگے چل کر ذکر کریں گے البتہ یہاں انہوں نے گل فشانی کی ہے فرماتے ہیں اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ اگر کوئی تین طلاقیں دے کر کہتا ہے ایک کا ارادہ کیا تھا تو اس کو تسلیم کیا جاتا لیکن بعد میں لوگ تین ہی دیتے اور آ کر کہتے کہ میں نے ایک کا ارادہ کیا تھا تو حضرت عمرؓ نے پابندی لگائی کہ آئندہ اگر کوئی شخص تین طلاقیں دے کر تاکید کا کہے تو اس کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا لیکن لوگوں نے اس روایت کا غلط مطلب لے لیا کہ تین طلاقیں ایک مجلس میں ایک ہوتی ہیں (ص ۳۱ بلفظہ)

موصوف گرامی نے صحیح حدیث کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ بلاشبہ تحریف معنوی ہے جس کا حدیث کے کسی لفظ میں اشارہ تک بھی موجود نہیں۔ بتاؤ کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ تین طلاقیں دینے والے کا ارادہ ایک کا ہوتا تھا کیا موصوف کو علم غیب ہے کہ وہ نیتوں تک کو بھی جانتے ہیں اور نیتیں بھی ان حضرات کی جانتے ہیں جو ان سے تقریباً چودہ صدیاں پہلے اس جہان فانی سے کوچ کر کے آخرت کو سدھار چکے ہیں موصوف کے بیان کردہ اس مطلب سے یہ بات کھل کے سامنے آ جاتی ہے کہ مقلدین اپنے غلط موقف کو ثابت کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ پر بھی افترا بازی سے باز نہیں آتے کبھی فرماتے ہیں تین طلاقیں دینے والے کا ارادہ ایک ہوتا تھا اور کبھی فرماتے ہیں اگر کوئی تین طلاقیں دے کر تاکید کا کہے تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی پھر فوراً اس کے الٹ کہہ دیا کہ حضرت عمر نے پابندی لگائی کہ آئندہ اگر کوئی شخص تین طلاقیں دے کر تاکید کا کہے گا تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی آخر دونوں باتوں میں ایک تو لازماً غلط ہے یا انہیں بطور تاکید قبول نہیں کیا جائے گا جس کا مطلب یہ ہے تین کو ایک سمجھا جائے گا اور اب تاکید کو قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ تین کو تین شمار کیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امیر المومنین نے تین کو تین نہیں بلکہ ایک کو تین شمار کیا ہے کیونکہ دو تو بطور تاکید تھیں جو زائد تھیں کیا کوئی عقلمند مفتی صاحب کی اس یاوہ گوئی کو تسلیم کر کے امیر المومنین کی ذات اقدس پر اتنا بڑا الزام لگا سکتا ہے کہ طلاق تو ایک ہے لیکن امیر المومنین نے اسے تین مانا ہے اور الطلاق مرتان کی صریح مخالفت کی۔؟ دراصل موصوف کا یہ سارا مطلب اپنا ہی خود ساختہ ہے جس سے رسول اللہ ﷺ اور عمر بن خطاب دونوں پر الزام لازم ہے اور صحیح حدیث میں نہ ارادہ کا ذکر ہے اور نہ تاکید کا یہ محض مفروضہ ہے جو صحیح حدیث کو رد کرنے کے لئے فرض کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں طلاق ثلاثہ

موصوف فرماتے ہیں حضور کے زمانے میں ہی ایک مجلس میں تین طلاقوں کو تین ہی شمار کیا جاتا تھا (ص ۳۱)

یہ بھی موصوف کا افتراء سمجھئے ورنہ ایک بھی صحیح حدیث موجود نہیں جو طلاق کے باب میں ہو (لعان میں نہیں) اور تین کو تین سمجھا گیا ہے اس کا آسان جواب تو یہ بھی ہے کہ تین اکٹھی مقلدین کے نزدیک بدعت ہیں جب یہ بدعت ہے تو سنت کیسے ہوئی؟ یا پھر بدعت کا نظریہ غلط ہے یا پھر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تین کو تین ماننے کا نظریہ غلط ہے کیونکہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو متعین کرتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تین کو تین شمار کیا جاتا تھا۔ لہذا بدعت کا نظریہ درست ہے اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تین کو تین شمار کرنے کا نظریہ بے ثبوت اور دلیل سے خالی ہے۔

تیسرا شبہ- فرماتے ہیں اس مسئلہ میں غیر مقلد اور بعض شیعہ ایک طرف ہیں اور دوسری طرف پوری امت مسلمہ ہے اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں عہد فاروقی کے ابتدائی تین سالوں تک تمام صحابہ ایک طرف ہیں اور آج کے تمام مقلدین ان کے خلاف ایک طرف ہیں یقیناً حق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تھا اور صحابہ حق پر تھے آج جو حضرات صحابہ اولین کے اس مسئلہ کے متبع ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ والحمد للہ علی ذالک

اجماع جدید

فرماتے ہیں ان مفتیوں اور علماء کرام نے ثابت کر دیا کہ جس طرح پہلے اس پر اجماع ہوا اسی طرح آج بھی علماء کا اجماع ہے لہذا یہ قرآن و حدیث اور اجماع پر عمل اور علمی رویہ ہے۔ (ص ۳۲)

موصوف کا بہت بڑا جھوٹ ہے نہ قرآن میں تین اکٹھی کا ذکر ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں ایک مجلس کی تین کو تین شمار کیا گیا ہے اس مسئلہ میں نہ کبھی پہلے اجماع ہوا تھا اور نہ آج اجماع ہے آج تو دنیا میں کروڑہا اہلحدیث موجود ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے حنفی و حنبلی و مالکی و شافعی علماء بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہیں۔ محدث روپڑی فرماتے ہیں۔

ایک طلاق کے قائلین کا مذہب بھی صاف ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا اس طرف بھی بہت ہیں اور ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے رہے جو اس پر فتوی دیتے رہے۔ (ایک مجلس کی تین طلاق ص ۳۹)

روایت رکانہ رضی اللہ عنہ پر مزید بحث

سابقہ سطور میں جس جگہ موصوف نے اہلحدیث پر

تحریف کا الزام لگایا ہے وہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی روایت مفصل گذر چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رکانہ رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں تو اس پر پریشان ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ایک طلاق ہے اگر رجوع کرنا چاہتے ہو تو کرلو چنانچہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے رجوع کرلیا۔ (مسند احمد ص ۲۶۵ ج ۱)

یہ روایت بلاشبہ صحیح ہے چونکہ یہ روایت اپنے موقف میں بڑی واضح ہے جس سے موصوف کی کل کوشش پر پانی پھر جاتا ہے اور بلند دعوے پستی کی لکیر کے ساتھ لگ جاتے ہیں لہذا موصوف نے اس روایت صحیحہ پر طبع آزمائی کی۔ تاکہ ان کے موقف کے خلاف ایک اہم رکاوٹ دور ہوسکے چنانچہ فرماتے ہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں یہ روایت ضعیف ہے اور مجہول ہے اور مجہول راویوں سے ہے (ص ۳۲)

راقم الحروف کہتا ہے امام نووی نے مسند احمد کی روایت کو ضعیف نہیں کہا کیونکہ اس کی سند میں کوئی مجہول راوی نہیں ہے بلکہ تمام راوی ثقہ ہیں امام نووی نے جس روایت کو ضعیف کہا ہے وہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ جس کی سند اس طرح ہے۔

حدثنا احمد بن صالح حدثنا عبدالرزاق اخبرنا ابن جریج اخبرنی بعض بنی ابی رافع مولی النبی ﷺ عن عکرمة. (ابوداؤد ص ۲۳۲ ج ۲)

اس سند میں بعض بنی ابی رافع بلاشبہ مجہول ہیں اسی بنا پر امام ابوداؤد نے ضعیف کہا ہے جیسا کہ خود ابوداؤد ص ۲۳۸ ج ۲ میں امام ابوداؤد فرماتے ہیں۔

حدیث ابن جریج رواہ عن بعض بنی ابی رافع عن عکرمة عن ابن عباس.

لہذا امام نووی کی اس حدیث پر جرح کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں وہ ابوداؤد کی روایت پر ہے جبکہ مسند احمد میں یہ سند اس طرح ہے۔

عن محمد بن اسحاق قال حدثنی داود بن الحصین عن عکرمة عن ابن عباس.

امام نووی کے تضعیف کے فیصلے کو مسند احمد کی روایت پر چسپاں کرنا علم حدیث سے جہالت ہے۔

مختصر ابوداؤد کے حوالہ ص ۱۳۲ سے فرماتے ہیں ''امام بخاری اور احمد نے اس کی اسانید کو ضعیف قرار دیا ہے۔'' (ص ۳۲)

ہم نے جب موصوف کے بیان کردہ حوالہ کی طرف مراجعت کی تو ہمارے استعجاب کی کوئی حد نہ رہی کہ موصوف نے امام بخاری اور امام احمد کی طرف مسند احمد کی جس روایت کی تضعیف منسوب کی ہے اس روایت کا وہاں ذکر تک نہیں ہاں البتہ مختصر ابی داؤد میں موصوف کی چہیتی روایت **ان رکانہ انما طلق امراتہ البتة** کے بارہ میں امام احمد سے مروی ہے کہ **کان یضعف طرق ھذا الحدیث کلھا.** (ص ۱۲۲ ج ۳) وہ طلاق بتہ کے تمام ترک کو ضعیف کہتے تھے۔

اور اسی طرح امام بخاری نے موصوف کی دوسری مستدل روایت ﴿ما اردت الا واحدة﴾ کے بارہ میں اضطراب کا حکم لگایا ہے۔ (مختصر ابی داؤد ص ۱۳۴ ج ۳)

قارئین کرام! یہ مفتی صاحب کی دیدہ دلیری ہے کہ جس ڈھٹائی سے انہوں نے کذب بیانی کرتے ہوئے امام احمد اور بخاری کی طرف اس حدیث کے ضعف کا انتساب کیا جسے ان دونوں اماموں نے ضعیف نہیں کہا۔ یہ مفتی صاحب کا ہی حصہ ہے۔

اصل حقیقت

ہماری مستدل روایت کی حقیقت تک یا تو مفتی صاحب کی رسائی نہیں یا تقلیدی جمود کا کرشمہ ہے کہ خود کو نصف النہار میں بھی اندھیرے میں رکھے ہوئے ہیں امام احمد نے اس حدیث کو ضعیف نہیں بلکہ صحیح ثابت کہا ہے۔ (مجموع الفتاوی ص ۶۷ ج ۳۳) اور اسے حسن قرار دیا ہے (اعلام الموقعین ص ۲۵ ج ۳ طبع منیریہ مصر)

بیہقی کے کلام میں تحریف

موصوف لکھتے ہیں: بیہقی! کہ ابن عباس کے آٹھ دیگر شاگرد اس کے خلاف روایت کرتے ہیں دوسری یہ بات کہ رکانہ کی اولاد کہتی ہے۔ کہ رکانہ نے ایک طلاق دی تھی۔ (ص ۳۲ بلفظہ)

موصوف نے امام بیہقی کے کلام کا ترجمہ غلط کیا ہے امام بیہقی کے الفاظ یہ ہیں۔

وھذا الاسناد لا تقوم بہ الحجة مع ثمانیة رووا عن ابن عباس فتیاہ بخلاف ذلک. (بیھقی ص ۳۳۹ ج ۷).

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''یہ سند قابل حجت نہیں اس کے ساتھ آٹھ (شاگرد) ہیں جنہوں نے ابن عباس سے ان کا فتویٰ اس کے برخلاف روایت کیا ہے''

اولاً: موصوف نے فتوی کا معنی روایت کیا حالانکہ فتوی اور روایت میں جو فرق ہے وہ مبتدی بھی جانتا ہے پتہ نہیں مفتی صاحب نے ترجمہ میں تحریف عمداً کی ہے تاکہ اپنا مطلب نکال سکیں یا پھر ''لیاقت شریف'' ہی اتنی ہے کہ بچوں جیسا کردار ادا کررہے ہیں۔

ثانیا: امام بیہقی کا اس کو قابل حجت قرار دینا بلا دلیل ہے جو قابل حجت نہیں ہے اس لئے کہ اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں یہی وجہ ہے کہ ائمہ فحول جن میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں تقلیدی مذہب میں جن کی تقلید فرض سمجھی جاتی ہے نے اس حدیث کا حسن ہونا اور ثابت ہونا تسلیم کیا ہے۔

حدیث بتہ کی بحث

فرماتے ہیں اس کی دو سندیں صحیح ہیں جن میں ثلاث کی بجائے البتہ کا لفظ ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے (ص ۳۳ بلفظہ)

یہ موصوف کی محض خوش فہمی ہے لفظ بتہ کے ساتھ یہ روایت قطعاً ثابت نہیں موصوف نے جن دو اسناد کی طرف اشارہ کیا ہے وہ دونوں ضعیف ہیں ایک میں سند یوں ہے۔

عن الزبیر بن سعید عن عبدالله بن علی یزید بن رکانة عن ابیه عن جده.

اس کی سند میں عبداللہ بن علی ضعیف ہے عقیلی فرماتے ہیں اس کی روایت پر متابعت نہیں مضطرب الاسناد ہے۔ اور اس کا شاگرد زبیر بھی ضعیف ہے، جس کو امام ابن معین نے ضعیف کہا ہے امام عجلی فرماتے ہیں اس نے طلاق میں منکر حدیث روایت کی ہے (طلاق اور شریعت محمد یہ ص:۱۵)

دوسری سند اس طرح ہے: حدثنا محمد بن ادریس الشافعی حدثنی عمی محمد بن علی بن شافع عن عبدالله بن علی بن السائب عن نافع بن عمیر بن عبد یزید بن رکانة. (ابو داؤد ص ۳۱۹ در السلام)

یہ سند بھی ضعیف ہے علی بن السائب مستور ہے (تقریب ص۱۸۲)

حافظ ابن حجر اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس روایت کے بارہ میں اختلاف ہے کہ کیا یہ رکانہ کی سند سے ہے یا ان سے مرسل ہے ابو داؤدؒ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے امام بخاری فرماتے ہیں اضطراب کی وجہ سے معلول ہے ابن عبد البر فرماتے ہیں تمام نے اس کو ضعیف کہا ہے (التلخیص ص۲۱۳ ج:۴)

راقم الحروف کہتا ہے امام ابوداؤد نے اسے صحیح قرار نہیں دیا بلکہ ابن جریج کی روایت سے اصح قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔ البتہ اس روایت کا ضعف ابن جریج کی روایت سے کم ہے۔

چیلنج

موصوف نے چیلنج کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے کہ حضور ﷺ صحابہ تابعین وغیرہ کے دور میں کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں اور اس کا ارادہ تین کا ہو اور اس کو ایک طلاق کا فتوی دیا گیا ہو۔ (ص:۳۳)

ہمیں موصوف کے اس مسئلہ میں عدم واقفیت پر افسوس بھی آتا ہے اور ان کی ذات شریف پر ترس بھی آتا ہے کہ جس مسئلہ پر انہوں نے فتوی بازی کی ہے وہ اس سے کما حقہ واقف نہیں ہیں۔ رکانہ کی صحیح حدیث جس میں واضح ہے کہ اس نے اکٹھی تین طلاقیں دیں تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے ایک رجعی قرار دیا ہے اور پھر صحیح مسلم کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر کے ادوار میں تین کو ایک سمجھا جاتا تھا صحیح بھی ہے اور صریح بھی ہے یہ بلاوجہ جھوٹے دعوے کرتے جائیں تو کون ہے جو ان کے قلم کو روکے البتہ رسول اللہ ﷺ پر صریح الزام ہے کہ کسی شخص نے (بغیر لعان کے) تین اکٹھی طلاقیں دی ہوں اور آپ نے انہیں تین قرار دے کر عورت کو حرام قرار دیا ہو۔ لہذا ان کا چیلنج محض ہوائی ہے۔ جس کا بوجھ ان پر بڑا بھاری ہے اور شائد اس کا اٹھانا ان کے بس میں نہ ہوگا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا رد

موصوف نے ابن عباس کی صحیح مسلم کی حدیث پر آٹھ اعتراضات کئے ہیں

۱- یہ روایت ان کے فتوے کے خلاف ہے اس لئے شاذ ہے۔ (ص۳۳)

راقم الحروف کہتا ہے یہ حدیث ابن عباس کے ایک فتوی کے موافق ہے (ابوداؤد۔ عبدالرزاق)

پھر یہ روایت صحیح ہے جو شاذ نہیں ہے اسے شاذ قرار دینا موصوف کی علم حدیث سے نادانی ہے ورنہ آج تک کسی اصولی محدث نے شاذ کی یہ تعریف نہیں کی کہ جو حدیث کسی امتی کے فتوی کے خلاف ہو وہ شاذ ہوتی ہے میرا خیال ہے کہ مفتی صاحب اگر مقدور بھر تتبع بھی فرمالیں تو تب بھی یہ اصول کسی اصول حدیث کی کتاب سے تلاش نہیں کر پائیں گے۔ ولو کان بعضهم لبعض ظهيراً.

۲- طاوس کا تفرد

فرماتے ہیں اس میں طاوس متفرد ہے (ص۳۳)

یہ اس صحیح حدیث پر موصوف کی دوسری جرح ہے اس جرح سے حدیث کی صحت پر تو بحمد للہ کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ طاوس ثقہ ثبت فقیہ فاضل اور جلیل القدر تابعی ہیں تقریباً پچاس صحابہ سے شرف ملاقات ہے جن کے بارہ میں ابن عباس بھی گمان رکھتے تھے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں جن کے تفصیلی حالات سیر اعلام وتہذیب ص ۸ ج ۵ میں موجود ہیں ایسے ثقہ ثبت راوی کا تفرد قطعاً مضر نہیں (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۳۶ مفہوماً)

ثالثاً! طاوس اس روایت میں متفرد نہیں ہے بلکہ مستدرک میں ان کی متابعت ابن ابی ملیکہ نے کی ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے شیخین نے اسے نہیں نکالا۔ (المستدرک ص۱۹۶ ج ۲)

۳- طاوس کی مخالفت

مفتی صاحب فرماتے ہیں دوسرے حضرات اس طرح روایت نہیں کرتے۔ (ص۳۳)

مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ اپنی تحریر پر غور کریں کہ جب طاوس متفرد ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث کسی دوسرے راوی نے روایت نہیں کی تو پھر یہ کہنا دوسرے حضرات اس طرح روایت نہیں کرتے۔ اصل بات یہ ہے کہ طاوس کی مذکورہ حدیث کے خلاف کسی ایک راوی نے ابن عباس سے کوئی حدیث روایت نہیں کی کہ

جس میں یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ ابو بکر کے ادوار اور عمر رضی اللہ عنہما کے ابتدائی دو سالوں میں تین کو تین تسلیم کیا جاتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو یہ علم نہیں کہ روایت میں مخالفت کا کیا مفہوم ہے ورنہ جو فرمایا ہے اس سے باز رہتے۔

۴-محدث کبیر کرابسی نے اس پر تنقید کی ہے

موصوف نے اس کا حوالہ نہیں دیا لہذا قابل التفات نہیں بالفرض کرابسی نے اس صحیح حدیث پر تنقید کی بھی ہو تو دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں۔

۵-ابوالصہباء پر جرح

موصوف ابوالصہباء پر جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس نام کے دو راوی ہیں اگر یہ ابن عباس کا مولی ہے تو نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے اور اگر کوئی غیر ہے تو مجہول ہے (ص ۳۴)

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں

اولا: صحیح مسلم کی حدیث جو ہم پیش کرتے ہیں اس میں ابوالصہباء راوی نہیں بلکہ سائل ہے اور راوی طاؤس ہیں جو بالاتفاق ثقہ ہیں اس لئے ابوالصہباء کا اس سند میں ہونا یا نہ ہونا برابر ہے اس سے سند کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا سند بلاشبہ صحیح ہے۔

ثانیا: ابن عباس کا مولی ہے جو ابن عباس، ابن مسعود علی بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں اور ان سے سعید بن جبیر، طاؤس، ابو معاویہ بجلی اور یحیی الجزار وغیرہ نے روایت کی ہے ابو زرعہ نے اسے ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے بھی ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب ص ۴۳۹ ج ۴) ابن حجر فرماتے ہیں صدوق ہے (تقریب ص ۴۴۱ ج ۱) امام نسائی جرح میں متشدد ہیں جب دیگر ائمہ نے کسی راوی کی توثیق کی ہو تو امام نسائی کی جرح مؤثر نہیں ہوتی پھر یہ صحیح مسلم کا راوی ہے اس سے بھی اس کی توثیق ظاہر ہوتی ہے۔

۶-یہ روایت منقطع ہے کیا بات ہے مفتی صاحب کی حدیث دانی سے واقفیت کی کہ ایک متصل حدیث کو منقطع کہہ رہے ہیں ہوسکتا ہے یہاں ان کا دماغ منقطع ہو گیا ہو ورنہ حدیث تو متصل ہے جس میں انقطاع کا ذرہ برابر شبہ نہیں یا پھر وجہ انقطاع واضح کریں۔

۷-گستاخانہ لہجہ

موصوف لکھتے ہیں ابوالصہباء ابن عباس سے گستاخانہ لہجے میں کہتا ہے کہ **هات من هناک** اپنی قابل نفرت باتیں لے آؤ۔ (ص ۳۴)

ایسا ترجمہ کرنا کسی جارح مفتی ہی کا علمی "نادر کرشمہ" ہوسکتا ہے۔ ورنہ غریب الحدیث میں اس لفظ کا موقع محل کے اعتبار سے بہتر اور اچھے ترجمہ کی وسعت موجود ہے۔ جس سے مقام صحابہ کی عظمت قائم رہے۔ ہم اپنی طرف سے ترجمہ کرنے کی بجائے ایک حنفی، دیوبندی فنکار کا ہی ترجمہ پیش کرتے ہیں، تاکہ مفتی صاحب اپنی اس گستاخانہ جرات پر شاید کچھ شرما جائیں۔

مولانا عزیز الرحمن صاحب فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ابوالصہباء نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے کہا: اپنے دل سے یاد کر کے بتاؤ کیا تین طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک نہ ہوتی تھیں۔" (مسلم شریف مترجم۔ ج:۲، ص ۴۱۷۔ طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور)

۸-عبداللہ بن مؤمل

فرماتے ہیں عبداللہ بن مؤمل کو ابن معین نے ضعیف کہا ہے بلکہ ابوداؤد نے منکر الحدیث کہا ہے۔ (ص ۳۴)

ابن مؤمل ثقہ ہے یا ضعیف ہے ہر دو صورتوں میں اس کا ہماری مستدل روایت سے کوئی تعلق نہیں صحیح مسلم کی زیر بحث سند میں اس کا کوئی وجود نہیں یہاں آ کر تقریبا مفتی صاحب نے اپنے فتوے کا اختتام کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب خود ہی بدحواس ہو گئے ہیں اس لئے کہ اس راوی پر بحث کرتے ہیں جسے ہم اصولا پیش نہیں کرتے اور جس روایت کو ہم اصولا پیش کرتے ہیں اس میں یہ راوی موجود نہیں۔

ان تمام اعتراضات کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم کی یہ صحیح حدیث موصوف کے نزدیک نا قابل حجت ہے مجھے یہاں ایک مناظرہ یاد آ گیا جو ضلع خوشاب کے چک نمبر ۴۰ نزد جوہر آباد مورخہ 26 فروری 2006 کو ہوا۔ اہلحدیث کی طرف سے مناظر مولانا عمر صدیق معاون قاضی عبدالرشید اور صدر مناظر راقم الحروف تھا دیوبندی کی طرف سے مناظر مفتی محمد انور اوکاڑوی خیر المدارس ملتان تھے اہلحدیث مناظر نے یہی ابن عباس کی حدیث پیش کی تو دیوبندی نے فوراً اس کے من گھڑت ہونے کا فتوی چسپاں کر دیا جسے آڈیو کیسٹ میں سنا جاسکتا ہے بہتر تو یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے کوئی جواب دینے کی بجائے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ایک فرمان قارئین کی نظر کرتا ہوں شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

انه کل من یهون امرهما فهو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین (حجة الله ص ۱۳۴ ج ۱)

جو شخص صحیحین بخاری اور مسلم کے معاملے کو پست کرتا ہے وہ بدعتی ہے ایمانداروں کے طریقہ کی بجائے دوسروں کے طریقہ کی پیروی کرتا ہے۔ شاہ صاحب کی نظر میں یہ دونوں مفتی بدعتی ہیں اس لئے کہ دونوں حضرات نے اس صحیح حدیث کو کمزور اور من گھڑت قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ جو صحیح میں موجود ہے

بائیکاٹ

مفتی صاحب فرماتے ہیں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو

تین طلاقوں کے باوجود رکھ لے تو علاقے والوں پر لازم آتا ہے کہ اس شخص سے سوشل بائیکاٹ کر کے اسے غمی وخوشی میں شریک نہ کریں۔ونخلع ونترک من یفجرک. (ص۳۴)

یہ مفتی صاحب کے فتوی کے آخری الفاظ ہیں جو انہوں نے زیب رقم کئے ہیں اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ جو متفرق تین دے کر پھر مطلقہ کو اپنی زوجیت میں رکھتا ہے تو ہمیں بھی اس سے اتفاق ہے لیکن ظن غالب یہ ہے کہ مفتی صاحب کا مقصد جیسا کہ بحث چل رہی تھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک رجعی سمجھ کر اپنی مطلقہ سے رجوع کر لیتا ہے تو اس سے بائیکاٹ کیا جائے تو یہ ایک بڑا فتوی ہے اس کے بارہ میں مفتی صاحب کو احساس نہیں کہ میرے اس فتوے کی زد میں کون کون آتا ہے۔

تو ہم عرض کریں کہ مسند احمد اور مسلم کی صحیح احادیث کی بنا پر مفتی صاحب کا یہ فتوی رسول اللہ ﷺ اور عہد صدیقی کے تمام صحابہ پر پڑتا ہے پھر آج تک جن متعدد حنفی علماء نے بھی اس بارہ میں اہلحدیث موقف کو صحیح تسلیم کیا ہے وہ بھی مفتی صاحب کے فتوی کا شکار بنتے ہیں مفتی صاحب کو ان کی فکر کرنی چاہئے۔

راہ اعتدال

ہم آخر میں دو معتبر حنفی بزرگوں کے فتوے نقل کر کے بحث کو ختم کرتے ہیں جن پر مفتی صاحب کو بھی اعتبار ہوگا۔ کہ انہوں نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک سمجھنے والوں کے بارہ میں کیا رویہ اپنایا ہے۔

مولانا مولوی حبیب المرسلین صاحب حنفی نائب مفتی مدرسہ امینیہ عربیہ دہلی ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں

الجواب۔ ''بعض سلف الصالحین وعلماء متقدمین میں سے اس کے بھی قائل ہیں کہ صورت مرقومہ میں ایک ہی طلاق پڑتی ہے اگر چہ ائمہ اربعہ میں سے یہ بعض نہیں اور مفتی اہلحدیث پر اسی اختلاف کی بناء پر کفر ومقاطعہ واخراج از مسجد کا فتوی غیر صحیح ہے بوجہ شدت ضرورت وخوف مفاسد کے اگر طلاق ثلاثہ دینے والا ان بعض علماء کے قول پر عمل کرلے گا کہ جن کے نزدیک اس واقعہ مرقومہ میں ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے تو خارج مذہب حنفی سے نہ ہو گا کیونکہ فقہاء حنفیہ نے بوجہ شدت ضرورت کے دوسرے امام کے قول پر عمل کر لینے کو جائز لکھا ہے اور اسی فروعی اختلاف کی وجہ سے بعض محدثین یا دیگر علماء کی توہین کرنا بڑا سخت کبیرہ گناہ ہے۔'''' منقول از رسالہ حق وصداقت کی عظیم الشان فتح'' (خاتمہ اختلاف ص۸۶)

مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب حنفی دیوبندی صدر مدرس مدرسہ امینیہ عربیہ دہلی ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

الجواب۔ ''ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے علاوہ بعض علماء اس کے قائل ضرور ہیں کہ ایک رجعی طلاق ہوتی ہے اور یہ مذہب اہلحدیث نے بھی اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباس اور طاوس اور عکرمہ وابن اسحاق سے منقول ہے پس کسی اہلحدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ وہ قابل مقاطعہ اور نہ مستحق اخراج عن المسجد ہے'' محمد کفایت اللہ عفا عنہ ''منقول از اخبار الجمعیۃ دہلی نمبر۴۴ ج ۱۴ مورخہ ۶ شعبان ۱۳۵۰ھ (خاتمہ اختلاف ص۸۷)

مفتی صاحب کو اپنے ان اکابر کے فتوؤں پر عمل کرتے ہوئے اپنی یاوہ گوئی سے تائب ہو جانا چاہیے اسی میں اخروی بھلائی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انسان بے شمار اختلافات رکھتے ہوئے بھی ایک ہی رشتہ عبودیت میں منسلک ہیں' اگر ایک پروردگار کے آگے جبینِ نیاز جھکا دیں اور اس کے بھیجے ہوئے رسول رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں تو سب اختلاف مٹ جائیں۔ دنیا وآخرت میں فلاح وفوز سے ہمکنار ہو جائیں۔ اور اسی طرح ایک امت بن جائیں' جس طرح ان اختلافات کے ظہور سے پہلے تھے اور اس طرح انسانی اخوت وبھائی چارے کی فضا میں دنیا جنت ارضی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ انسانیت کے حال پر رحم فرمائے اور دین حق قبول کرنے کی توفیق بخشے۔ فرمایا:

﴿وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعو السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصاکم بہ لعلکم تتقون﴾ (الأنعام:۱۵۳)

''اور یہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے۔ تو تم اس پر چلنا اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ ان پر چل کر اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے' ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ پرہیزگار بنو۔''

دنیا بھر کے جرائد ومجلات' اخبارات ورسائل' ذرائع ابلاغ اور وسائل تبلیغ کے مسلم ذمہ دارات اور مدیران سے ہماری دردمندانہ اور مخلصانہ درخواست ہے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کریں اور اپنے فرائض منصبی کا احساس و شعور پیدا کریں۔ اس بارے میں اللہ کے حضور جواب دہی کی تیاری کریں اور دنیا کو ذلت وضلالت سے نکالنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

ہماری اللہ کے حضور دعا ہے:

﴿إھدنا الصراط المستقیم ٥ صراط الذین أنعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین﴾ (الفاتحہ:۶'۷)

''ہم کو سیدھے راستے پر چلا' ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو اپنا فضل وکرم کرتا رہا' نہ ان کے راستے پر جن پر تو غصے ہوتا رہا' اور نہ گمراہوں کے راستے پر۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆